اربعین حنفیہ
مؤلفہ
فقیہ اعظم حضرت علامہ ابو یوسف محمد شریف نقشبندی کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ
المدینۃ العلمیۃ

باسمہٖ تعالیٰ

اربعینِ حنفیّہ

نماز سے متعلق چالیس احادیث کا مجموعہ ہے،
جس میں اختلافی مسائل میں حنفی مذہب کی تقویت
نہایت مدلل انداز میں بیان کی گئی ہے۔

مؤلف

فقیہ اعظم حضرت علامہ ابو یُوسف محمد شریف نقشبندی
کوٹلوی، قدّس سرّہٗ العزیز (متوفی ۱۹۵۱)

ناشر

المدينة العلمية

P.O.Box :18752

Email: ilmia26@hotmail.com

نام کتاب .... اربعین حنفیہ

مولف .... فقیہ اعظم حضرت علاّمہ ابو یوسف محمد شریف
نقشبندی کوٹلوی قدس سرہ العزیز (م ۱۹۵۱ء)

تعداد ۱۰۰۰

سن طباعت .... ۲۰۰۳ء، ۱۴۲۴ھ

ایڈیشن .... اول

صفحات ۱۱۲

قیمت ....

ہماری مطبوعات طلب کیجئے

۱۔ مکتبۃ المدینۃ فیضان مدینہ محلّہ سوداگراں پرانی سبزی منڈی کراچی

۲۔ مکتبۃ المدینۃ شہید مسجد کھارادر کراچی

۳۔ مکتبۃ المدینۃ سردار آباد (فیصل آباد)

۴۔ مکتبۃ المدینۃ، گنج بخش روڈ، لاھور

ناشر

المدینۃ العلمیۃ

٣

٧٨٦
مدینہ
٩٢

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

’’المدینۃ العلمیۃ ۔ایک تعارف‘‘

بحمدہٖ تعالٰی **المدینۃ العلمیۃ** ایک ایسا تحقیقی و اشاعتی ادارہ ہے جو علمائے اہلسنت خصوصًا اعلٰی حضرت امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خان رضی اللہ عنہ کی گراں مایہ تصنیفات کو عصر حاضر کے تقاضوں کے پیش نظر سہل ترین اسلوب میں پیش کرنے کا عزم رکھتا ہے الحمد للہ عزوجل اس انقلابی عزم کی تکمیل اپنے ابتدائی مراحل میں داخل ہو چکی ہے۔

المدینۃ العلمیۃ کا منصوبہ بفضلہٖ تعالٰی وسیع پیمانہ پر مشتمل ہے جس میں علوم مروّجہ کی تقریبًا ہر صنف پر تحقیقی و اشاعتی کام شامل منشور ہے یوں وقتًا فوقتًا گراں قدر اسلامی تحقیقی لٹریچر منظر عام پر لا کر متعارف کروایا جائے گا اور علوم اسلامیہ کے محققین حضرات کے ذوق تحقیق کی تسکین کا بھی وسیع پیمانہ پر سامان کیا جائے گا نیز مرور زمانہ کی وجہ سے جن تصنیفات کا لب ولہجہ اور انداز تفہیم متاثر ہو چکا ہے ان کو نئے اسلوب و آہنگ اور جدید انداز تفہیم سے آراستہ کر کے ایک عام پڑھے لکھے فرد کیلئے قابلِ مطالعہ بنانا بھی **المدینۃ العلمیۃ** کی بنیادی ترجیحات میں شامل ہے۔

امام اہلسنت رضی اللہ عنہ کے حوالے سے **المدینۃ العلمیۃ** ایک مضبوط و مستحکم لائحہ عمل کا حامل ہے جو اس کے قیام کی اغراض میں سے سب سے اوّلین ترجیح ہے۔امام اہلسنت رضی اللہ عنہ کی علمی و تحقیقی تصنیفات بلاشبہ علوم اسلامیہ کا شاہکار ہیں مگر عصر حاضر میں نشرو

اشاعت کے جو نئے رجحانات متعارف ہو چکے ہیں ان کا تقاضہ ہے کہ علوم اسلامیہ کے ان شہ پاروں کو حواشی و تسہیل کے زیور سے آراستہ کر کے شائع کیا جائے جس سے نہ صرف یہ فائدہ ہو گا کہ ان تصنیفات کی مقبولیت میں اضافہ ہو گا بلکہ ہر عام و خاص یکساں طور پر ان سے مستفید بھی ہو سکے گا۔

اس کے علاوہ دیگر جدید و قدیم علمائے اہلسنت علیہم الرحمۃ کی تصنیفات کو مع تراجم، حواشی، تخریج اور شروح کے منظر عام پر لایا جارہا ہے جن میں نصابی اور غیر نصابی دونوں طرح کی تصنیفات شامل ہیں، نصابی کتب کے حوالے سے یہ امر قابل ذکر ہے کہ نہ صرف دینی مدارس کی نصابی کتب پر کام ہو رہا ہے بلکہ اسکول، کالجز اور جامعات کی نصابی کتب پر بھی کام منشور میں شامل ہے اس قدر وسیع پیمانہ پر تحقیقی کام یقیناً بغیر تعاون کے ناممکن العمل ہے لہذا اسلامی علوم کے شائقین کے ہر طبقہ سے گزارش ہے کہ تحقیق و اشاعت کے اس میدان میں ہمارے ساتھ علمی و قلمی تعاون کے سلسلے میں رابطہ فرمائیے۔ آیئے مل کر علوم اسلامیہ کے تحقیقی و اشاعتی انقلاب کے لئے صف بہ صف کھڑے ہو جائیں اور اپنی قلمی کاوشوں سے اس کی بنیادوں کو مضبوط کریں۔

ع   صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے

Email: ilmia26@hotmail.com

P.O. Box.: 18752

فہرس

کچھ مصنف علیہ الرحمۃ کے بارے میں

فقیہِ اعظم مولانا ابو یوسف محمد شریف قدس سرہ (کوٹلی لوہاراں، سیالکوٹ)

حنفیت وسنیت کے بطلِ جلیل مولانا محمد شریف ابن مولانا عبدالرحمٰن سیالکوٹی کوٹلی لوہاراں ضِلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے، علومِ دینیہ کی تکمیل والدِ ماجد سے کی، ان کے وصال کے بعد برِصغیر پاک وہند کے ممتاز علماء سے کسبِ فیض کیا۔ حضرت خواجہ حافظ عبدالکریم نقشبندی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور خلافت سے مشرف ہوئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے بھی اجازت وخلافت حاصل تھی۔ فقیہِ اعظم کا لقب آپ ہی نے عطا فرمایا تھا۔ حضرت فقیہِ اعظم نے فقہ حنفی کی بے بہا خدمات انجام دی ہیں ہفت روزہ ''اہلِ حدیث'' امرتسر میں آئے دن اہلِ سنت احناف کے خلاف مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔ حضرت فقیہِ اعظم کی کوششوں سے امرتسر ہی سے ''الفقیہ'' کے نام سے ہفت روزہ جاری ہوا جس میں ان اعتراضات کے جوابات نہایت تحقیق ومتانت سے دئے جاتے تھے۔ اس جریدے کے علاوہ دیگر مؤقر جرائد میں بھی آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ آپ عالمِ شریعت اور شیخِ طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ مقبول ترین مقرر بھی تھے۔ وعظ و ارشاد میں اپنا ایک مخصوص اسلوب رکھتے تھے۔

حضرت فقیہ اعظم نے پنجاب کے اطراف واکناف کے علاوہ کلکتہ اور بمبئی وغیرہ مقامات تک سنیت وحنفیت کا پیغام پہنچایا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس،

بنارس کے تاریخی اجلاس میں شرکت فرمائی اورتحریکِ پاکستان کی حمایت میں جگہ جگہ تقریریں کیں اور مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت ومعاونت پر تیار کیا۔

آپ کے مریدین کا حلقہ نہایت وسیع ہے جو ملک کے طول وعرض میں موجود ہے۔

آپ نے تصنیف وتالیف کی طرف بھی توجہ فرمائی، چند تصانیف یہ ہیں:-

۱۔تائید الامام: (حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہ کی تالیف الردعلیٰ ابی حنیفہ کا محققانہ رد)' ۲۔نماز حنفی مدلل' ۳۔صداقت الاحناف' ۴۔کتاب التراویح'
۵۔ضرورتِ فقہ' ۶۔کشف الغطاء' ۷۔اربعین نبویّہ'
۸۔اربعین حنفیہ۔

آپ نے ۹۰ سال کی عمر میں ۱۵ جنوری ۱۹۵۱ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔
دورے والی مسجد کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں آپ کا مزار پُر انوار ہے۔
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم

امّا بعد فقیر ابو یوسف محمد شریف کوٹلوی برادران اسلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ لوگ دین میں نہایت سست ہوگئے ہیں۔ نہ اسلام کی خبر نہ مذہب کا کچھ پتا۔ مخالفین اسلام دن بدن ترقّی پر ہیں اور اسلام میں طرح طرح کے فساد برپا ہیں۔ شیعہ جو کہ اپنے مذہب کو چھپانا ثواب سمجھتے تھے آج اعلانیہ اپنے مذہب کی اشاعت میں سرگرم ہیں۔ اخباروں میں رسالوں میں اہل سنت کی تردید کررہے ہیں۔ اسی طرح مرزائی (۱) کہ ان کا بچہ بچہ مناظر ہے کئی اخبار میں، ٹریکٹ (۲) مذہب کی اشاعت میں نکال رہے ہیں۔ اور وہابیوں کی تبلیغ تو یہاں تک اثر کرچکی ہے کہ لوگوں کو ان کے خروج کا احساس ہی نہیں ہورہا۔ گاؤں گاؤں میں ان کی انجمنیں ہیں۔ وہ سب ایک کانفرنس کے ماتحت کام کررہی ہیں۔ ان کے تنخواہی مبلغ شہر بہ شہر، دیہہ بدیہہ (۳) پھرتے ہیں۔ اور مذہب کی تبلیغ میں سرتوڑ کوشش کررہے ہیں۔ لِسَانُهُمْ اَحْلٰی مِنَ السُّکَّرِ (۴) کا مصداق بن کر میٹھی میٹھی باتوں سے بھولے بھالے احناف کو دام تزویر (۵) میں پھاند لیتے ہیں۔ امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کی بظاہر

---

(۱) مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار۔ اس شخص نے اپنی نُبُوّت کا دعوی کیا اور انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں نہایت بے باکی کے ساتھ گستاخیاں کیں۔ اور حضور ﷺ کے خاتم النّبیّن ہونے کا انکار کیا (ملخّص از بہار شریعت، ۵۶/۱)۔ (۲) لٹریچر (۳) گاؤں گاؤں۔ (۴) اُن کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہیں۔ (۵) دھوکہ بازی کے جال میں پھنسا لیتے ہیں۔

تعریف کرتے ہیں مگر حقیقت میں عوام کو مغالطہ میں ڈالتے ہیں مگر حنفی (۱) ہیں کہ ان کی ظاہری حالت دیکھ کر ان پر فریفتہ (۲) ہو جاتے ہیں۔ کوئی تو رشتہ داری کے لحاظ سے، کوئی مالداری کے پاس سے، کوئی روزگار کی ضرورت کے لیے، کوئی تنخواہ کی ترقی کے لئے، کوئی محض جہالت سے وہابیت اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح نیچری (۳) خیالات بھی بڑھ رہے ہیں ۔ حدیث کے منکر (۴) بھی زوروں پر ہیں۔ رسائل نکالتے ہیں، مناظروں کا چیلنج دیتے ہیں۔ الغرض سب مذاہب اپنی اپنی اصلاح و ترقی میں کوشاں ہیں۔ اگر سست ہیں تو حضرات احناف چناں خفتہ اند کہ گوئی مردہ اند۔ (۵)

گروہ حنفیہ کَثَّرَھُمُ اللّٰہُ (۶) کے ہر طبقہ میں مذہب کی طرف سے لاپروائی ہو گئی ہے۔ حضرات علماء جن کا وجود ہمارے لئے باعث فخر ہے بڑے بڑے اکابر بفضلہٖ تعالیٰ زندہ موجود ہیں جن کے مقابلہ کی کسی غیر مذہب کو جرأت نہیں ہو سکتی۔ مگر ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی (۷)۔ وہ دیکھتے

---

(۱) امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے پیروکار (۲) قربان (۳) سید احمد خان علی گڑھی کے پیروکار۔ یہ شخص فرشتوں کے وجود کا منکر تھا اور انگریز کا حامی اور وظیفہ خور تھا۔ اسکے عقائد ملاحظہ فرمائیں: ’’فصاحت و بلاغت کو قرآن مجید کا معجزہ سمجھنا صحیح نہیں‘‘۔ قرآن مجید میں موجود سابقہ انبیاء اکرام علیہم الصلوۃ والسلام کے قصوں کو من گھڑت اور محض خیالی قصے کہا ہے۔ ایک اور جگہ لکھا ’’ خدا نہ ہندو ہے نہ عرفی مسلمان نہ مقلد نہ لامذھب نہ یہودی نہ عیسائی وہ تو پکا چھٹا ہوا نیچری ہے معاذ اللہ تعالیٰ (خود نوشتہ ۲۳، ۴۱، ۸۰، ۱۲۴، ۱۴۸) (۴) عبد اللہ چکڑالوی کے پیروکار۔ اس شخص نے سید احمد علی گڑھی ہی کے عقائد کو فروغ دیا تفصیل کیلئے کتاب ’’برطانوی مظالم کی کہانی‘‘ کا مطالعہ فرمائیں (۵) ایسے سوئے ہیں کہ مردہ۔ (۶) اللہ تعالیٰ اُن کو زیادہ کرے (۷) بے پرواہ ہیں۔

ہیں کہ مذہب پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ کوئی امام اعظم علیہ الرحمۃ کو کافر زندیق (۱) تک لکھ دیتا ہے۔ کوئی ہدایہ شریف (۲) پر سینکڑوں اعتراض کرتا ہے۔ کوئی دُرِّ مختار کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ کوئی تقلید کو حرام، شرک، بدعت قرار دیتا ہے۔ مگر وہ توجہ نہیں کرتے۔ نہ اخباروں میں مضمون دیتے ہیں، نہ کوئی ٹریکٹ شائع کرتے ہیں، نہ کوئی رسالہ ان کے جواب میں لکھتے ہیں۔

ادھر اُمراء کا یہ حال ہے کہ رات دن دنیا کے نشہ میں مست نہ نماز سے کام، نہ روزہ کا پتا، نہ حج نہ زکوٰۃ۔ صبح و شام نواہی (۳) میں مصروف۔ خبر ہی نہیں کہ اسلام کیا چیز ہے؟ بیٹے کی شادی رچائیں گے تو آتش بازی، ناچ، باجا وغیرہ واہیات اور فضول رسموں میں گھر بار لٹا دیں گے۔ مگر اشاعت اسلام و اشاعت مذہب میں ایک پیسہ تک خرچ کرنا فضول سمجھیں گے۔ اگر کوئی اہل علم اشاعت مذہب کیلئے کوئی رسالہ لکھے تو یہ متموّل (۴) ایک نسخہ بھی خریدنے سے دریغ (۵) کریں گے۔ بخلاف اس کے دوسرے مذاہب کے امراء اپنے خرچ سے چھپوا کر مفت تقسیم کراتے ہیں۔ رہے حضرات صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ جن کے اشارہ سے سینکڑوں مرحلے طے ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ حضرات بھی ذکر و مراقبہ میں ایسے مستغرق ہیں کہ انہیں خبر ہی نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ علماء کی سخت ضرورت ہے، ان کا جمود (۶) کیا رنگ لائے گا؟ اگر یہ حضرات اس طرف توجہ فرماتے تو ہر سال علماء کی ایک جماعت تیار کرا سکتے

---

(۱) بے دین۔ (۲) دیکھو الجرح علی ابی حنیفۃ رحمہ اللہ مؤلفہ محمد دہلوی۔ (۳) ناجائز اُمور
(۴) مالدار (۵) انکار۔ تامل (۶) ٹھہراؤ

تھے۔مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے اس طرف توجہ ہی نہیں کی۔ایک حضرت اقدس قبلہ علی پوری مُدَّ ظِلہ ہیں جنہوں نے مدرسہ نقشبندیہ جاری کیا ہوا ہے مگر افسوس کہ وہ مدرسہ بھی ہماری امیدوں کے مطابق ترقی نہیں کر سکا۔

کتب حدیث (۱) کا ترجمہ آج تک کسی حنفی نے نہیں کیا۔صحاح ستہ کا ترجمہ اردو میں وہابیوں نے کیا ہے جس میں جا بجا انہوں نے حنفی مذہب کی تردید کی ہے۔مؤطا امام محمد و آثار امام محمد کا ترجمہ بھی وہابیوں نے کیا ہے۔اگر کوئی اہل علم شاذو نادر اس طرف توجہ بھی کرے تو پھر مصارف طبع (۲) کہاں سے لائے؟ غرباء کے پاس پیسہ نہیں امراء کو مذہب کی ضرورت نہیں ۔اگر کوئی صاحب اپنی ضروریات سے بچا کر کوئی کتاب یا رسالہ طبع کرائے تو کوئی اس کا خریدار نہیں بنتا۔پھر یا تو وہ کتابیں جمع پڑی رہیں یا مفت تقسیم کی جائیں۔اگر مفت تقسیم ہوں تو دوسری کتاب کے طبع کیلئے مصارف کہاں سے لائیں؟ غرض بڑی مشکل ہے۔بہر حال میں نے ایک حدیث میں دیکھا کہ سرور عالم ﷺ نے فرمایا جو شخص میری امت میں سے چالیس حدیثیں جو کہ دین کے بارے میں ہوں یاد کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کو فقہاء وعلماء کے زمرہ میں اٹھائے گا۔ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو فقیہ عالم مبعوث کرے گا۔ایک روایت میں ہے کہ میں اس کے لئے شافع وشہید بنوں گا (۳)۔ایک روایت میں

---

(۱) یہ کتاب تقریباً ستر سال پہلے شائع ہوئی تھی اب الحمد للہ عزوجل علماء اہلِ سنت نے تقریباً احادیث کی بیشتر کتب کے اردو تراجم کر دیئے ہیں جو شائع بھی ہو چکے ہیں۔(۲) چھپائی کے اخراجات۔
(۳) مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم ص ۳۶۔

ہے کہ اس کو حکم ہوگا کہ جنت کے جس دروازے کے راستہ تو چاہے داخل ہو (اربعین نوویہ) تو میں نے بھی اسی امید پر چالیس حدیثیں لکھنی شروع کیں اور ارادہ کیا کہ اخبار الفقیہ (امرتسر) میں شائع کی جائیں۔ پھر اگر کسی عالی ہمت نے توجّہ کی تو علیٰحدہ بصورت رسالہ بھی طبع کی جائیں گی۔ امید ہے کہ حضرات احناف ان احادیث کو حفظ کر کے ثواب حاصل کریں گے اور اپنے مذہب کو بھی غیر کی دستبرد (۱) سے بچائیں گے۔ وها أنا أشرع في المقصود بتوفيق الله الودود (۲)۔ فقیر ابو یوسف محمد شریف عفی اللہ عنہ

حدیث {۱}

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ:

قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وإِنَّمَا لِكُلِّ اِمْرِءٍ مَّا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اَلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِ اِمْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا هِجْرَتُهٗ إِلَى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ''۔ مُتَفِقٌ عَلَيْهِ (۳)

---

(۱) قبضہ، چُنگل۔ (۲) اور اللہ الودود کی توفیق سے میں اپنے مقصود کو شروع کرتا ہوں۔ (۳) صحیح البخاری ۱/۳، الصحیح لمسلم ۱/۱۴۰، سنن ابی داؤد ۱/۳۰۰، النسائی ۱/۲۴

ترجمہ:- حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا انہوں نے، فرمایا رسول کریم ﷺ نے، سوائے اس کے نہیں اعمال (کا اعتبار اور خدا کی درگاہ میں قبولیت) نیتوں (۱) کے ساتھ ہے۔ یعنی کوئی عمل بدون

---

(۱) امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: بیشک جو علم نیت جانتا ہے ایک ایک فعل کو اپنے لئے کئی کئی نیکیاں کرسکتا ہے مثلاً، جب نماز کیلئے مسجد کو چلا اور صرف یہی قصد ہے کہ نماز پڑھونگا تو بے شک اس کا یہ چلنا محمود، ہر قدم پر ایک نیکی لکھیں گے اور دوسرے پر گناہ محو کریں گے، مگر عالم نیت اس ایک فعل میں اتنی نیتیں کرسکتا ہے (۱) اصل مقصود یعنی نماز کو جاتا ہوں (۲) خانۂ خدا کی زیارت کرونگا (۳) شعار اسلام ظاہر کرونگا (۴) داعی الی اللہ کی اجابت کرتا ہوں (۵) تحیۃ المسجد پڑھنے جاتا ہوں (۶) مسجد سے خس وخاشاک وغیرہ دور کرونگا (۷) اعتکاف کرنے جاتا ہوں کہ مذہب مفتیٰ بہ پر (نفلی) اعتکاف کیلئے روزہ شرط نہیں۔ ایک ساعت کا بھی ہوسکتا ہے، جب سے داخل ہو باہر آنے تک اعتکاف کی نیت کرے۔ انتظار نماز وادائے نماز کے ساتھ اعتکاف کا بھی ثواب پائے گا۔ (۸) امر الٰہی ''خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ '' (اپنی زینت لو جب مسجد جاؤ) کے امتثال کو جاتا ہوں۔ (۹) جو وہاں علم والا ملے گا اس سے مسائل پوچھوں گا، دین کی باتیں سیکھوں گا (۱۰) جاہلوں کو مسئلہ بتاؤں گا، دین سکھاؤں گا (۱۱) جو علم میں میرے برابر ہوگا اس سے علم کی تکرار کروں گا (۱۲) علماء کی زیارت (۱۳) نیک مسلمان کا دیدار (۱۴) دوستوں سے ملاقات (۱۵) مسلمانوں سے میل (۱۶) جو رشتہ دار ملیں گے ان سے بکشادہ پیشانی مل کر صلۂ رحمی (۱۷) اہل اسلام کو سلام (۱۸) مسلمانوں سے مصافحہ کروں گا (۱۹) ان کے سلام کا جواب دوں گا (۲۰) نماز باجماعت میں مسلمانوں کی برکتیں حاصل کروں گا (۲۱) و (۲۲) مسجد میں جاتے نکلتے حضور سید عالم ﷺ پر سلام عرض کروں گا (۲۳) و (۲۴) دخول وخروج میں حضور و آل حضور و ازواج حضور ﷺ پر درود بھیجوں گا اللهم صلی علی سیدنا محمد وعلی ال سیدنا محمد وعلی أزواج سیدنا محمد صلی الله تعالیٰ علیه واله وسلم (۲۵) بیمار کی مزاج پرسی کروں گا (۲۶) اگر کوئی غمی والا ملا تعزیت کروں گا (۲۷) جس مسلمان کو چھینک آئی اور اس نے 'الحمد للہ' کہا اسے 'یرحمك الله' کہوں گا (۲۸) امر بالمعروف (۲۹) ونہی عن المنکر کروں گا (۳۰) نمازیوں کو وضو کا پانی دوں گا (۳۱) و (۳۲) خود مؤذن ہے، یا مسجد میں کوئی مؤذن مقرر نہیں تو نیت کرے کہ اذان واقامت کہوں گا۔ اب یہ کہنے نہ پایا یا دوسرے نے کہہ دی تاہم اپنی نیت کا ثواب پاچکا، فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهٗ عَلَى اللهِ (۳۳) جو راہ بھولا ہوگا اُسے راستہ بتاؤں گا (۳۴) اندھے کی دستگیری کروں گا (۳۵) جنازہ ملا تو نماز پڑھوں گا (۳۶) موقع پایا تو ساتھ دفن تک جاؤں گا۔ (۳۷) دو مسلمانوں میں نزاع ہوئی ←

نیت معتبر اور مقبول نہیں ۔اور کسی آدمی کو اس کے کام میں حصہ یا ثواب نہیں مگر وہی جو اس نے نیت کی پس جس شخص کی ہجرت محض خدا عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہو (یعنی اس کی نیت میں طلب رِضا و امتثال امر شارع (۱) ہو) تو اس کی ہجرت خدا عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے ۔(یعنی مقبول ہے اور اس پر ثواب عظیم مترتب ہوتا ہے) اور جس کی ہجرت محض حصول دنیا کے لئے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کرتا ہو (خدا عزوجل اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رِضا مندی کیلئے نہ ہو) تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی یعنی حصول دنیا یا نکاح ۔اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں بڑا علم ہے ۔امام شافعی و احمد رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس حدیث کو ثلث اسلام یا ثلث علم فرمایا ہے ۔بیہقی نے اس کی توجیہ یہ

⬅ تو حتی الوسع صلح کراؤں گا (۳۸) و (۳۹) مسجد میں جاتے وقت داہنے ،اور نکلتے وقت بائیں پاؤں کی تقدیم سے اتباع سنت کرونگا۔(۴۰) راہ میں جو لکھا ہوا کاغذ پاؤں گا اٹھا کر ادب سے رکھ دوں گا۔الی غیر ذلك من نیات کثیرہ ۔تو دیکھئے کہ جو ان ارادوں کے ساتھ گھر سے مسجد کو چلا وہ صرف حسنۂ نماز کیلئے نہیں جاتا بلکہ ان چالیس حسنات کیلئے جاتا ہے۔تو گویا اس کا یہ چلنا چالیس طرف چلنا ہے اور ہر قدم چالیس قدم ، پہلے اگر ایک نیکی تھا اب چالیس نیکیاں ہوگا۔فتاوی رضویہ ۱۶۷/۵/۵ (تسہیل وتخریج شدہ)۔(نیت کی مزید نفیس بحث فیضانِ احیاء العلوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ عزوجل و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پیروی

فرمائی ہے کہ علم یا دل سے ہوتا ہے یا زبان سے یا بقیہ اعضاء سے اور نیت عمل دل کا ہے۔اس لئے یہ حدیث علم کا تیسرا حصہ ہوئی۔مرقاۃ(۱)

اکثر مصنفین اصلاح نیت کے لئے اپنی کتابوں کو اسی حدیث سے شروع کیا کرتے تھے۔اس حدیث میں جناب رسول کریم ﷺ نے اخلاص کی ہدایت فرمائی ہے۔اور ہر عمل کے ثواب کو نیت پر موقوف فرمایا ہے۔اگر اعمال میں نیت نیک ہے تو ثواب ہے ورنہ نہیں۔ہجرت ایک عمل ہے اگر اس میں حق سبحانہ وتعالیٰ کی رِضا اور امتثالِ امر مقصود ہے تو موجبِ برکات ہے۔اگر یہ نہیں تو کچھ نہیں۔اسی طرح انسان جو عمل کرتا ہے اگر اس میں رضائے حق مقصود ہے تو باعث اجر ہے ورنہ نہیں۔اب اس حدیث سے جو فوائد مستنبط (۲) ہو سکتے ہیں وہ سنو اور خوب یاد رکھو۔

۱۔ ایک شخص اپنے قریبی کو کچھ خیرات دیتا ہے۔اگر صرف اس کی غریبی کا خیال کرکے دیتا ہے۔صلہ رحمی کی نیت نہیں تو صدقہ کا ثواب پائے گا۔لیکن صلہ رحم نہ ہوگا۔اگر محض صلہ رحمی کے لئے دیتا ہے تو صلہ رحم کا ثواب ہوگا۔صدقہ کا ثواب نہ ہوگا۔اگر دونوں نیت کرے تو دونوں ثواب پائے گا۔معلوم ہوا کہ ایک کام میں متعدد نیتیں کرنے سے ہر ایک نیت پر ثواب ملتا ہے۔

---

(۱) المرقاۃ ۱/ ۹۸ (۲) نکالے جا سکتے ہیں۔

۲۔ مثلاً مسجد میں بیٹھنا ایک عمل ہے اگر اس میں بہ نیت اعتکاف بیٹھے تو اعتکاف کا ثواب پائے گا۔ اگر نیت اعتکاف کے ساتھ یہ نیت بھی ہو کہ جماعت کا انتظار ہے تو بحکم حدیث (جماعت کا منتظر نماز میں ہے) اس کو نماز کا ثواب بھی ملے گا(۱)۔ پھر اسکے ساتھ اگر یہ نیت کرے کہ آنکھ کان اور تمام اعضاء کی جملہ منہیات (۲) سے حفاظت ہوگی تو یہ ثواب بھی حاصل ہوگا۔ پھر اس پر یہ نیت بھی کرے کہ صلوٰۃ وسلام آنحضرت ﷺ پر بیٹھ کر پڑھوں گا تو اس کا ثواب بھی پائے گا۔ اگر یہ نیت بھی کرے کہ حج وعمرہ کا ثواب ملے (جیسے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص وضو کر کے مسجد میں جاوے اس کو حج وعمرہ کا ثواب ملتا ہے) تو اس کو یہ ثواب بھی ملے گا(۳)۔ پھر اس پر یہ نیت بھی کرے کہ مسجد میں علم کا افادہ یا استفادہ ہوگا یا امر معروف اور نہی منکر حاصل ہوگا تو اس ثواب کو بھی ضرور حاصل کرلے گا۔ پھر اگر یہ نیت بھی کرے کہ کوئی دینی بھائی مسجد میں ملے گا اس کی زیارت سے مستفیض ہوں گا تو یہ اور اجر ہوگا۔ اسی طرح اگر نیت تفکر (۴) ومراقبہ (۵) کی کرے کہ مسجد میں تنہا ہو کر دل کی جمعیت (۶) کے ساتھ مراقبہ کروں گا تو یہ اجر بھی پائے گا۔ الغرض جتنی نیتیں کرے گا سب کا ثواب پائے گا کیونکہ حدیث شریف کے الفاظ اِنَّمَا لِاِمْرِءٍ مَّا نَوىٰ کا یہی مطلب ہے کہ جو نیت کرے گا وہ پائے گا۔

---

(۱) صحیح البخاری ۹۰/۱ (۲) ممنوعہ باتوں سے (۳) سنن ابی داؤد ۲۳۱/۱۔
(۴) غور وفکر، سوچ بچار۔ (۵) حضوری دل سے اللہ عزّوجلّ کا دھیان کرنا۔ (۶) یکسوئی

۳۔اسی طرح اگر کسی میت کے ساتھ کوئی شخص نقدی یا غلہ قبر پر لے جائے۔ اور اس کی نیت یہ ہو کہ قبر پر مساکین جمع مل سکتے ہیں ۔نیز عام مساکین جنازے میں شامل ہو جاتے ہیں۔تو کوئی حرج نہیں ہے۔میت کیلئے جو کچھ دیا جائے گا حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس کا ثواب اس میت کو ضرور پہنچائے گا۔ ہاں اگر اس کی نیت درست نہیں بلکہ محض دکھاوا مقصود ہے تو خواہ گھر کی کوٹھڑی میں بیٹھ کر خیرات کرے گا اس کا کچھ ثواب نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ نیت صحیح نہیں۔معلوم ہوا کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔اگر نیت خدا عزوجل کے لئے اور ایصال ثواب ہے تو قبر پر لے جانے سے کوئی حرج واقعہ نہیں ہوتا اور اگر نیت میں ریا ہے تو گھر میں بھی کچھ نہیں۔لہٰذا مسلمانوں کو لازم ہے کہ ایسے امور میں نیت صحیح ہو۔نہ یہ کہ ایسے کام ہی چھوڑ دیں۔

۴۔اسی طرح میت کے بعد تیسرے یا ساتویں یا دسویں یا چالیسویں دن کھانا پکا کر مساکین کو کھلایا جائے (۱) ۔اس میں بھی اگر وارثوں کی نیت یہ ہے کہ ان دنوں میں مساکین جمع ہو جاتے ہیں یا دوسرے خویش واقارب (۲) آجاتے ہیں یا معیّن کرنے کے سبب کچھ نہ کچھ ادا ہو جاتا ہے نہ معیّن کرنے سے رہ جاتے ہیں تو معیّن کرنے میں کوئی حرج نہیں۔اگر نیت ہو کہ ان اوقات

---

(۱) حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ نے اس موضوع پر جاءَ الحق ص ۲۴۷ میں تفصیلی کلام فرمایا ہے۔(۲) قریبی رشتہ دار۔

مخصوصہ میں کھانا کھلانا تو پہنچتا ہے آگے پیچھے کا ثواب نہیں پہنچتا۔ تو یہ نیت غلط ہے۔ اس کی اصلاح کر دینی چاہیئے کہ میّت کو جس روز کچھ ثواب پہنچانا چاہے پہنچتا ہے۔ کھانا ہو یا نقدی یا قراءتِ قرآن تخصیص ایام (۱) کوئی ضروری نہیں۔ اگر کوئی مصلحت ہو تو حرج بھی نہیں۔ معلوم ہوا کہ نیت پر اعمال کا مدار ہے۔ نیت ایصال ثواب ہے تو جس روز دے گا ثواب پہنچے گا۔ تیسرا دن ہو یا ساتواں یا دسواں۔ اگر نیت ریا ہے تو سب کچھ بے کار ہے۔

۵۔ اسی طرح اگر میّت کے بعد لوگ بیٹھتے ہیں اور کلمہ پڑھتے ہیں۔ ان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ خالی چپ چاپ بیٹھنے سے بجز حقہ کشی (۲) اور واہیات (۳) فضول باتوں کے اور کوئی بات نہیں ہوتی۔ اگر کلمۂ طیّبہ جس کی نسبت حدیث شریف (۴) میں ''اَفْضَلُ الذِّکْرِ '' آیا ہے پڑھتے رہیں تو یقیناً موجب برکت ہے۔ پھر اگر محض روایات کے مطابق ستّر ہزار بار ہو جائے اور میّت کو بخشا جائے تو امید مغفرت ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ بموجبِ حدیث إنما لإمرئٍ مانوى کلمہ پڑھنے والوں کو ان کی نیت کے مطابق ثواب نہ ملے۔ جب حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جو اس نے نیت کی۔ تو ضرور اجر ملے گا۔ پھر وہ میّت کو بخشیں گے تو ضرور میّت کو بھی پہنچے گا (۵)۔

---

(۱) دنوں کو خاص کرنا۔ (۲) حقہ پینا۔ (۳) فحش اور گندی باتیں۔ (۴) شعب الایمان ۴/۹۰۔

(۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ فوت ہو گئی ہیں اور انہوں نے کسی قسم کی وصیت ⟵

۶۔اسی طرح مجلس میلاد کا کرنا اور جلوس نکالنا ہے۔تا کہ رسول کریم ﷺ کی شان ظاہر ہو اور اسلام کی عزّت و عظمت و ہیبت مخالفینِ اسلام کے دلوں میں جاگزیں (۱) ہو۔تو اسی حدیث کی رو سے جائز ہے کہ اس کی نیت نیک ہے۔

۷۔اسی طرح ہر وہ کام جس کی ممانعت رسول کریم ﷺ نے نہ فرمائی ہو نیک نیت کے ساتھ جائز اور کارِ ثواب ہے۔

۸۔قرآن شریف جنابت کی حالت میں پڑھنا منع ہے لیکن اگر بہ نیت دعا پڑھے تو درست ہے۔مثلاً وہ آیات جن میں دعا ہے جنبی کو بہ نیت قراءت قرآن پڑھنا حرام اور بہ نیت دعا جائز۔(۲)

۹۔اسی طرح جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا امام اور مقتدی دونوں کے لئے بہ نیت قراءت درست نہیں اور بہ نیت دعا درست ہے (۳)۔

الحاصل ہر کام میں نیک نیت ہونا چاہیئے۔حضرت سیدنا مولانا روم نے مثنوی شریف میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص نے مسجد کے پاس اپنا مکان بنوایا اور مسجد کی طرف ایک دریچہ (۴) رکھا۔اس کے پیر نے پوچھا کہ یہ

⬅ نہیں کی اور میرا گمان ہے کہ اگر انہیں کلام کرنے کا موقع ملتا تو وہ صدقہ دیتیں پس کیا اگر میں ان کی جانب سے صدقہ کروں تو ثواب پہنچے گا،تو آپ ﷺ نے فرمایا،ہاں۔الصحیح لمسلم ۲/۱۴۱، سنن ابی داؤد، ۲/۴۳ (۱) رچ بس جانا' چھا جانا۔

(۲) بہار شریعت ۲/۴۳۔ (۳) بہار شریعت ۴/۱۵۴۔ (۴) کھڑکی۔

دریچہ کس لئے رکھا ہے۔اس نے کہا کہ ہوا کے لئے۔آپ نے فرمایا کہ اگر یہ نیت کرتا کہ یہ دریچہ محض اس لئے رکھا کہ مسجد سے اذان کی آواز آجائے یا جماعت کے کھڑے ہونے کا علم ہوجایا کرے تو ہوا خود بخود آجایا کرتی اور تجھے اس کا ثواب (بھی) ہوتا۔

۱۰۔اشعۃ اللمعات میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ احادیث میں آیا ہے کہ جب ملائکہ بندوں کے اعمال آسمان پر لے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلْقِ تِلْكَ الصَّحِيفَةَ اَلْقِ تِلْكَ الصَّحِيفَةَ اس صحیفہ کو ڈال (پھینک) دے، اس صحیفہ کو ڈال دے۔ وہ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ خدایا تیرے اس بندے نے نیک باتیں کیں نیک عمل کئے ہم نے سنا، دیکھا اس کی نیکیوں کے دفتر میں لکھا، اب اسے کس طرح ڈال دیں ۔حکم ہوگا کہ لَمْ يُرِدْ بِهٖ وَجْهِیْ کہ اس بندہ نے اس عمل کے ساتھ میری رِضا کا ارادہ نہیں کیا۔یعنی اس کی نیت اس عمل میں میری رِضا نہ تھی۔اس لئے میرے حضور میں مقبول نہیں ۔اسی طرح ایک دوسرے فِرشتے کو حکم ہوگا اُكْتُبْ لِفُلَانٍ كَذَا وَ كَذَا ۔فلاں بندہ کے اعمال نامہ میں فلاں فلاں نیک عمل لکھ دے۔فِرشتہ عرض کرے گا کہ خدایا اس نے تو یہ کام کیا نہیں تو کیسے لکھ دوں ۔حکم ہوگا کہ اس نے نیت کی تھی۔اس کا ارادہ کرنے کا تھا مگر اس سے نہ ہوسکا۔(۱) سبحان اللہ دیکھئے نیت نیک کرنے سے بغیر کئے اعمال کا ثواب مل

(۱)اشعۃ اللمعات ۱/ ۳۹ ۔

گیا اور بری نیت سے کئے ہوئے اعمال ضائع ہوئے۔اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اخلاص کی توفیق دے۔(آمین بجاہ النبی الامین ﷺ)

حدیث {۲}

عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ ؟ قَالَ أَقْضِي بِكِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ ؟ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَجْتَهِدُ رَأْيِيْ وَلَا اٰلُوْا قَالَ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَدْرِهٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا يَرْضٰى بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ -رواہ الترمذی و أبو داؤد والدارمي (۱)

ترجمہ:-حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ان کو رسول اللہ ﷺ نے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ جب تجھے کوئی معاملہ پیش آئے تو تُو کیسے فیصلہ کرے گا۔حضرت سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں اللہ عزوجل کی کتاب کے ساتھ حکم کروں گا۔آپ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ

---

(۱)جامع الترمذی ۳/۶۱۶، سنن ابی داؤد ۳/۳۰۳، الدارمی ۱/۷۲،

عزّ وجل کی کتاب میں تو اس کا حکم نہ پائے تو پھر کیا کرے گا۔ انہوں نے عرض کی کہ رسول کریم ﷺ کی سنت کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو رسول علیہ السلام کی سنت میں بھی اس حکم کو نہ پائے تو پھر کیا کرے گا؟ انہوں نے عرض کی کہ میں اپنی عقل اور رائے کے ساتھ اجتہاد کروں گا اور طلب ثواب میں کمی نہ کروں گا۔ حضرت سیّدنا معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر رسول کریم رؤف رحیم ﷺ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا الحمد للہ عزّوجلّ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ عزّوجلّ کا رسول ﷺ راضی ہے۔

۱۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استخراج احکام میں قرآن مقدم ہے پھر حدیث۔

۲۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کو کھینچ تان کر حدیث کے تابع نہیں کرنا چاہیئے بلکہ حدیث کو قرآن کے تابع کرنا چاہیئے ۔ چنانچہ مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں جو کہ مقلدین (۱) اور غیر مقلدین (۲) کا متنازعہ فیہ (۳) مسئلہ ہے اس میں پہلے قرآن دیکھنا چاہیئے ۔ اللہ تعالیٰ عزّوجلّ قرآن شریف میں فرماتا ہے:

وَ إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

ترجمۂ کنزالایمان: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے کان لگا کر سُنو اور

---

(۱) ائمہ شریعت کے پیروکار۔ (۳) تقلید کا انکار کرنے والے۔ (۳) باہمی جھگڑا۔

خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔(اعراف ۹/ ۲۰۴)

اور حدیث (۱) میں آیا ہے اس کی نماز نہیں جو الحمد نہ پڑھے۔ اب ہمیں حدیث کو تابع قرآن سمجھنا چاہیئے کہ یہ حدیث امام اور منفرد کے لئے ہے مقتدی کیلئے نہیں ۔اس طرح آیت اور حدیث میں تطبیق بھی ہوگئی اور مطلب بھی صاف ہوگیا۔لیکن اگر ہم آیت کو کھینچ تان کر یہ مطلب لیں کہ یہ آیت کافروں کے بارے میں ہے حالانکہ کسی حدیث میں اس کا نزول کفار کے بارے میں نہیں آیا۔یا یہ کہیں کہ قرآن سے مراد آیت میں الحمد کے آگے سورت ہے۔ یا یہ کہیں کہ استماع (۲) وانصات (۳) کے یہ معنی ہیں کہ اونچی نہ پڑھو وغیرہ وغیرہ۔تو اس صورت میں قرآن کو حدیث کے تابع کرنا ہے۔ جو حدیث مذکور کے خلاف ہے۔

آمین بالجہر :(۴)

۳۔اسی طرح مسئلہ آمین بالجہر میں ہم پہلے قرآن کو دیکھتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۔ (الاعراف ۸/ ۵۵)

ترجمۂ کنز الایمان: اپنے رب سے دُعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔

اور ظاہر ہے کہ آمین دعا ہے ۔اصل دعا میں اخفا (۵) ہے ۔تو اس آیت کو

---

(۱) الصحیح لمسلم ۱/ ۱٦۹'۔(۲) کان لگا کر سننا' (۳) خاموش رہنا'

(۴) اونچی آواز سے آمین کہنا۔(۵) آواز پست یعنی ہلکی کرنا۔

مقدّم سمجھ کر اصل آمین میں اخفا سمجھنا چاہیئے ۔اور اگر کسی حدیث میں رسول کریم ﷺ کا آمین کہنا ذرا آواز کھینچ کر بھی آیا ہوتو اسے تعلیم پر حمل کرنا چاہیئے ۔نہ یہ کہ حدیث کوتو کچھ نہ کیا جائے اور آیت کا کوئی اور مطلب گھڑا جائے۔

تقلید:(۱)

۴۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تقلید صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں پائی جاتی تھی بلکہ رسول اللہ ﷺ نے تقلید کا ارشاد فرمایا کیونکہ حدیث میں جب کسی مسئلہ کا قرآن و حدیث سے فیصلہ نہ ہوتو حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد اور رائے کے ساتھ فیصلہ کرنا کہا اور حضور ﷺ نے پسند فرمایا۔جس سے معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ اجتہاد سے فیصلہ کریں اور دوسرے مسلمان اس فیصلہ کوتسلیم کریں ۔کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے قاضی بنا کر بھیجا۔تو اگر لوگ ان کے فیصلہ کو قبول نہ کریں تو وہ قاضی کیسے ہوئے؟ اور کسی کے اجتہاد کو بلا معرفت دلیل قبول کرنا بھی تقلید ہے۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سرور عالم ﷺ نے حضرت سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ نہیں فرمایا کہ اگر کوئی مسئلہ قرآن یا حدیث سے نہ ملے تو مجھ سے دریافت کر لینا،کسی کو بھیج کر مجھ سے فیصلہ دریافت کر لینا۔ بلکہ ان کے اجتہاد کو پسند فرمایا۔جس سے معلوم ہوا کہ مجتہد،اگر قرآن و حدیث میں صریح (۲) مسئلہ نہ پائے تو اجتہاد اور قیاس سے

---

(۱) لغوی معنی ہیں کہ گلے میں ہار یا پٹہ ڈالنا اور اصطلاح میں کسی کے قول وفعل کو لازم جاننا یعنی اس کی پیروی کرنا۔تقلید کی بحث جاء الحق میں ص ۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔(۲) واضح طور پر۔

جوحکم کرے اس کا حکم ماننا غیر مجتہد پر لازم ہے اور یہی تقلید ہے جو آپ ﷺ کے زمانہ میں آپ ﷺ کی اجازت سے لوگ کیا کرتے تھے۔

شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔ دریں حدیث دلیل است برشریعت قیاس و اجتہاد برخلاف اصحاب ظواہر کہ منکر قیاس اند۔(۱)

ایک شبہ:

بعض لوگ شبہ کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح نہیں۔علامہ ابن القیم اعلام الموقعین ص ۷۳ میں اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو سب اہل علم نے نقل کیا ہے اور اس کے ساتھ حجت پکڑی ہے۔ نیز اس کی ایک سند متصل بھی ہے جس کے رجال (۲) مؤثق (۳) ہیں۔ پھر بحوالہ خطیب نقل کرتے ہیں:

قَالَ اَبُوْ بَكْرِ نِ الْخَطِيْبِ وَ قَدْ قِيْلَ اَنَّ عِبَادَةَ بْنِ نَسى رَوَاهُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنَمِ بْنِ مُعَاذٍ وَ هٰذَا اِسْنَادٌ مُتَّصِلٌ وَ رِجَالُهٗ مَعْرُوْفُوْنَ بِالثِّقَةِ انتهى۔ (۴)

---

(۱) ترجمہ: قیاس اور اجتہاد کے شرعی ہونے پر اس حدیث میں دلیل ہے برخلاف اہل ظواہر کے کہ وہ قیاس کا انکار کرتے ہیں۔(۲) راوی (۳) قابل اعتماد۔(۴) ترجمہ: ابوبکر خطیب نے کہا ”اور کہا گیا ہے کہ عبادہ بن نسی نے عبدالرحمٰن بن غنم بن معاذ سے اس حدیث کو روایت کیا اور اس کی اسناد متصل ہیں اور اس کے رجال معروف بالثقہ ہیں“۔

حدیث {۳}

عَنْ رَافِعِ بْنِ خُدَیْجٍ قَالَ :

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ أَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَإِنَّہٗ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ الدَّارِمِیُّ (۱)

ترجمہ:- حضرت سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ سنا میں نے رسول کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ نماز فجر میں اسفار کرو یعنی روشنی میں ادا کرو۔ کیونکہ اس کا روشنی میں ادا کرنا اجر میں بہت بڑا ہے۔

ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز فجر کو اچھی روشنی میں پڑھنا بہت ثواب ہے۔ اور یہی مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ ''اَشِعَۃُ اللَّمْعَاتِ'' ص ۳۲۰ میں فرماتے ہیں کہ اسفار کی حد ہمارے مذہب کے مشائخ سے اس طرح منقول ہے کہ چالیس آیت یا ساٹھ یا اس سے زیادہ سو آیت تک بطریق ترتیل قراءت (۲) پڑھ کر نماز ادا کرے۔ اگر بالفرض بعد فراغتِ نماز کوئی سہو اس کی

---

(۱) جامع الترمذی باب ما جاء بالاسفار بالفجر ۱/۴۰، السنن لابی داؤد ۱/۶۱، الدارمی ۱/۳۰۰۔ (۲) ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا

طہارت میں ظاہر ہو یا کسی وجہ سے نماز کو دہرانا پڑے تو طلوع آفتاب سے پہلے پہلے اسی طرح قراءت مسنون کے ساتھ اس کا اعادہ (۱) ممکن ہو۔ بخاری شریف میں حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت آئی ہے جو اس حدیث کی تائید کرتی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم صَلّٰى صَلٰوةً لِغَيْرِ مِيْقَاتِهَا إِلَّا صَلٰوتَيْنِ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ وَصَلَّى الْفَجْرَ قَبْلَ مِيْقَاتِهَا۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُ وَمُسْلِمُ قَبْلَ وَقْتِهَا بِغَلَسٍ (۲)

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے غیر وقت میں نماز پڑھی ہو یعنی ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو اس کے وقت میں ادا فرمایا کرتے تھے سوائے دو نمازوں کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء کو مزدلفہ میں جمع کیا اور فجر کو اس کے وقت سے پہلے پڑھا۔ صحیح مسلم میں "قَبْلَ وَقْتِهٖ" کے آگے "بِغَلَسٍ" کا لفظ بھی آیا ہے۔ یعنی نمازِ فجر کو اس کے وقت سے پہلے غلس (۳) میں پڑھا۔ شارح صحیح مسلم امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ وقت سے پہلے تو اجماعًا نماز جائز نہیں۔ تو اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ

---

(۱) لوٹانا۔ (۲) صحیح البخاری ۱/۲۲۸ (۳) آخیر رات کی تاریکی کو کہتے ہیں (یعنی فجر کا ابتدائی وقت) نزہۃ القاری ۱/۷۶۔

آپ ﷺ نے وقت معتاد(۱) سے پہلے پڑھی یعنی مزدلفہ میں فجر اندھیرے میں پڑھی۔اگرچہ بعد طلوع فجر پڑھی لیکن اندھیرے میں فجر پڑھنا چونکہ آپ ﷺ کی عادت نہ تھی اس لئے اس روز آپ ﷺ نے نمازِ فجر روزمرّہ کے وقت معتاد سے پہلے پڑھی۔ بخاری و مسلم کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزمرہ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ فجر نماز میں اسفار کرنا تھا۔بعض نے اسفار کا معنی ظہور فجر کیا ہے اور یہ باطل ہے اس لئے کہ قبل ظہور تو نماز فجر جائز ہی نہیں۔تو ثابت ہوا کہ اسفار سے مراد تنویر ہے یعنی خوب روشنی کرنا اور غلس کے بعد ہے یعنی زوال ظلمت کے بعد اور حضور نبی کریم ﷺ کا ''فَإِنَّه' أَعۡظَمُ لِلۡأَجۡرِ'' فرمانا اس بات پر دلیل ہے کہ نماز غلس میں بھی ہو جاتی ہے اور اس کا اجر ہے مگر اسفار میں زیادہ اجر ہے۔تو اگر اسفار سے مراد وضوحِ فجر ہو تو اس سے پہلے تو نماز ہی جائز نہیں۔پھر وُضُوحِ فجر میں زیادہ اجر کیسے ہوا؟

اس مضمون کی بہت حدیثیں آئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز اچھی روشنی میں پڑھنا مستحب ہے اور زیادہ اجر کا باعث ہے۔سنن نسائی میں محمود بن لبید اپنی قوم کے چند انصار بزرگوں سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا'' مَا أَسۡفَرۡتُمۡ بِالصُّبۡحِ فَإِنَّه' أَعۡظَمُ لِلۡأَجۡرِ '' کہ صبح کا جس قدر اسفار کروگے وہ اجر میں بڑا ہوگا (۲)۔اس حدیث کو حافظ

---

(۱) وہ وقت جس میں حضور ﷺ عادةً نماز فجر پڑھتے تھے۔وقتِ مقررہ۔

(۲) النسائی کتاب الصلوۃ ۱ / ۶۵۔

زیلعی نے صحیح کہا تو اس حدیث سے اسفار کے معنیٰ بھی معلوم ہو گئے کہ خوب روشنی کرنا ہے اور مخالفین کی تاویلات کی بھی تردید ہو گئی۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

"یَا بِلَالُ نَوِّرْ بِصَلٰوۃِ الصُّبْحِ حتّٰی یَبْصُرَ الْقَوْمُ مَوَاقِعَ نَبْلِھِمْ مِنَ الْاَسْفَارِ"۔

ترجمہ: اے بلال رضی اللہ عنہ ! صبح کی نماز میں اتنی روشنی کیا کرو کہ لوگ اسفار کی وجہ سے اپنے تیروں کے گرنے کی جگہ دیکھ لیا کریں۔ اس حدیث کو ابوداؤد وطیالسی اور ابن ابی شیبہ واسحٰق بن راہو یہ وطبرانی نے معجم میں روایت کیا۔ (صحیح بہاری جلد۲ ص ۲۵۶) آثار السنن میں اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ فجر میں اسفار مستحب ہے۔ تیروں کے گرنے کی جگہ اسی وقت نظر آ سکتی ہے جب کہ اچھی روشنی ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔

"مَنْ نَوَّرَ الْفَجْرَ نَوَّرَ اللّٰہُ فِیْ قَبْرِہٖ وَقَلْبِہٖ وقُبِلَ صَلوٰتُہ' رَوَاہُ الدَّیْلِمِی"

رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص فجر کو روشنی میں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی قبر اور اس کے دل کو روشن کرتا ہے اور اس کی نماز مقبول ہو جاتی ہے (صحیح بہاری)۔(۱)

---

(۱) خلفیہ اُمام احمد رضا رضی اللہ عنہ، علامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تالیف۔

ایک شبہ۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ رسول کریم ﷺ فجر کی نماز غلس یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے۔عورتیں نماز فجر میں حاضر ہوتی تھیں۔جب فارغ ہوکر گھروں میں جاتی تھیں تو بسبب اندھیرے کے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اندھیرا مسجد کے اندرونی حصہ میں ہوتا تھا نہ یہ کہ صحن میں بھی اندھیرا ہوتا تھا۔اسفار کے وقت بھی مسجد کے اندرونی حصہ میں اندھیرا ہوا کرتا ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اتنا زیادہ اسفار نہ کرتے تھے کہ آفتاب کا طلوع قریب ہو جائے۔کیونکہ حدیث میں آپ ﷺ کا اسفار میں نماز فجر پڑھنا ثابت ہے۔چنانچہ حضرت سیدنا بیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت سیدنا اَنس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ رسول کریم ﷺ کی نماز کے اوقات بیان فرمایئے تو انہوں نے کہا کہ ظہر کی نماز زوال آفتاب کے بعد اور عصر کی نماز تمہارے ظہر و عصر کے درمیان پڑھا کرتے تھے۔اور مغرب کی نماز غروب آفتاب کے وقت اور عشاء کی نماز غروب شفق (۱) کے وقت ''وَ يُصَلِّي الْغَدَاةَ عِنْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ حِيْنَ يَفْسَحُ الْبَصَرُ'' اور فجر کی نماز طلوع صبح کے بعد پڑھتے تھے جب کہ نگاہ کھلنے لگے یعنی دور دور کی چیزیں

---

(۱) شفق اس روشنی کو کہتے ہیں جو غروب آفتاب کے بعد آسمان کے غربی کنارے پر ظاہر ہوتی ہے اور یہ دو طرح کی ہے سرخ اور سفید پہلے سرخ آتی ہے پھر سفید جب سفید غروب ہو جائے تو نماز عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

نظر آنے لگیں ۔اس حدیث کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا۔اس کی سند حسن ہے (مجمع الزوائد)۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں حضرت بیان رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي الصُّبْحَ حِيْنَ يَفْسَحُ الْبَصَرُ رَوَاهُ الْإِمَامُ اَبُو مُحَمَّدِ ن الْقَاسِمِ بْنِ ثَابِتِ السَّرْخَسِيُ فِيْ كِتَابِ غَرِيْبِ الْحَدِيْثِ۔(۱)

ترجمہ: حضرت سیدنا اَنَس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ایسے وقت میں نماز پڑھتے تھے کہ نگاہ دور تک پہنچ سکے۔(ف) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ نماز صبح اسفار میں پڑھتے تھے۔

طبرانی میں مجاہد سے راویت ہے وہ قیس بن سائب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّىْ الْفَجْرَ حَتّٰى يَتَغَشَّى النُّوْرُ السَّمَاءَ۔ (۲)

قیس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اس وقت فجر پڑھتے تھے جبکہ آسمان میں روشنی پھیل جاتی تھی۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ فجر کی نماز

---

(۱) الدرایة فی تخریج الاحادیث ۱/۱۰۶۔ (۲) مجمع الزوائد ۱/۳۰۵۔

حضور علیہ السلام اسفار میں پڑھتے تھے۔ پس یا تو احادیث فعلیہ (۱) میں تطبیق (۲) کی جائیگی کہ اندھیرے سے مراد اندرونی حصۂ مسجد کا اندھیرا ہے یا یہ کہ اسفار اتنا زیادہ نہیں ہوتا تھا کہ آفتاب کا نکلنا قریب ہو جائے کمامر ۔ یا غلس میں نماز پڑھنا بیان جواز کے لئے تھا یا احادیث فعلیہ میں بسبب متعارض ہونے کے کسی فریق کے لئے حجت نہ رہی اور احادیث قولیہ (۳) بلا معارض باقی رہیں۔ تو لامحالہ احادیث قولیہ پر عمل ہوگا۔ علاوہ اس کے قول اور فعل میں جب تعارض ہو تو قول مقدم ہوتا ہے۔ کَذَا قَالَ الشَّیْخُ عَبْدُ الْحَقُّ فِي اَشِعَةِ الْمَعَاتِ تو اس مسئلہ میں بھی احادیث قولیہ ''اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ'' اور ''نَوِّرْ یَا بِلَال'' حدیث غلس پر جو کہ فعلی ہے مقدم ہوں گی۔

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم:

علاوہ اس کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اسفار ثابت ہے۔ چنانچہ امام طحاوی نے بسند صحیح ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا

مَا اجْتَمَعَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰی شَیْءٍ مَّا اجْتَمَعُوْا عَلَی التَّنْوِیْرِ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کسی بات پر اس قدر متفق نہ ہوئے جس قدر اسفار فجر پر متفق ہوئے (۴)۔

---

(۱) ایسی احادیث کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کام کے کرنے کا ذکر ہو' (۲) مطابقت، دو متعارض روایتوں میں مطابقت' (۳) وہ احادیث کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فرمایا ہو۔ (۴) شرح معانی الاثار باب وقت الفجر ۱/۱۰۹ ۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ :

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ صَلّٰی بِنَا أَبُوْبَکْرٍ صَلوٰۃَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ اٰلَ عِمْرَانَ فَقَالُوْا کَادَتِ الشَّمْسُ تَطْلَعُ قَالَ لَوْ طَلَعَتْ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِیْنَ رَوَاہُ الْبَیْہَقِيُ فِي السُّنَنِ الْکُبْرٰی (۱)۔ صحیح بھاری ص ۲۵۶۔

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی تو سورہ آل عمران پڑھی لوگوں نے (بعد فراغتِ نماز) کہا کہ آفتاب نکلنے کے قریب ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر آفتاب نکل آتا تو ہمیں غافل نہ پاتا یعنی ہمیں نماز میں دیکھتا۔ اس حدیث کو بیہقی نے سنن کبریٰ میں روایت کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز فجر اسفار میں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ :

عَنْ اَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِي قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ صَلوٰۃَ الْفَجْرِ فَمَا سَلَّمَ حَتّٰی ظَنَّ الرِّجَالُ ذَوُو الْعَقُوْلِ أَنَّ الشَّمْسَ طَلَعَتْ فَلَمْ يُسَلِّمْ قَالُوْا يَاأَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ کَادَتِ الشَّمْسُ تَطْلَعُ قَالَ فَتَکَلَّمَ بِشَیءٍ لَمْ اَفْهَمْهُ فَقُلْتُ أَیَّ شَیءٍ

(۱) السنن الکبری للبیهقی ۱/ ۳۷۹ ۔

قَالَ فَقَالُوْا لَوْ طَلَعَتِ الشَّمسُ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِيْنَ۔ رَوَاہُ الْبَیْھَقِي فِي السُّنَنِ الْکُبْریٰ ۔ (۱)

حضرت ابوعثمان نہدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز فجر پڑھی آپ نے سلام نہ پھیرا یہاں تک کہ عقلمند لوگوں نے ظن (گمان) کیا کہ آفتاب طلوع ہو گیا اور آپ نے سلام نہ پھیرا۔ لوگوں نے (بعد فراغت نماز) عرض کی کہ اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ آفتاب نکلنے کے قریب ہے۔ حضرت ابوعثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ کلام کیا جو میں نہیں سمجھا تو میں نے لوگوں سے پوچھا کہ آپ نے کیا فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر آفتاب نکل آتا تو ہمیں غافل نہ پاتا۔ اس کو بیہقی نے سنن کبریٰ میں روایت کیا۔ صحیح بہاری

(ف): معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی اسفار میں نماز فجر پڑھا کرتے تھے۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ:

عَنْ یَزِیْدِ الْاَوْدِيْ قَالَ کَانَ عَلِيٌّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ یُصَلِّيْ بِنَا الْفَجْرَ وَنَحْنُ نَتَرَاءُ الشَّمْسَ مَخَافَةَ اَنْ تَکُوْنَ قَدْ طَلَعَتْ رَوَاہُ الطَّحَاوِيْ (۲)۔

یزید الاودی کہتے ہیں کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہمیں فجر کی نماز پڑھایا

---

(۱)(۱) السنن الکبری للبیہقی ۱/۳۷۹ ۔ (۲) شرح معانی الاثار للطحاوی ۱/۱۰۴۔

کرتے تھے اور ہم آفتاب کو دیکھتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں نکل نہ آیا ہو۔ معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی اچھی روشنی میں فجر پڑھایا کرتے تھے۔

عبدالرزاق ابن ابی شیبہ وطحاوی نے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے مؤذن کو فرماتے تھے اَسْفِرْ اَسْفِرْ یَعْنِیْ بِصَلوٰۃِ الصُّبْحِ۔ کہ اسفار کرو اسفار کرو صبح کی نماز میں۔(۱)

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

امام طحاوی عبدالرحمان بن یزید سے روایت کرتے ہیں۔

قَالَ کُنَّا نُصَلِّیْ مَعَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فَکَانَ یُسْفِرُ بِصَلوٰۃِ الصُّبْحِ۔(۲)

عبدالرحمان کہتے ہیں کہ ہم ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ وہ نماز صبح میں اسفار کیا کرتے تھے۔طبرانی نے کبیر میں اس طرح روایت کیا ہے۔کَانَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَسْعُوْدٍ یُسْفِرُ بِصَلوٰۃِ الْفَجْرِ مجمع الزوائد میں اس کے سب راوی ثقہ لکھے ہیں۔(۳)

الحاصل مذہب امام اعظم کا کہ فجر میں اسفار مستحب ہے نہایت قوی ہے۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللّمعات میں فرماتے ہیں کہ فجر کی تاخیر اخیر وقت تک اجماعًا بلا کراہت مباح ہے اور تقلیل جماعت بھی مکروہ۔اور

---

(۱)مصنف عبدالرزاق ۱/۴۱۹،شرح معانی الاثار للطحاوی ۱/۲۳۲۔(۲)شرح معانی الاثار للطحاوی ۱/۲۳۵۔(۳)مجمع الزوائد کتاب الصلوٰۃ ۲/۶۵۔

لوگوں کو مشقت میں ڈالنا بھی مکروہ یعنی غلس میں فجر پڑھنا ایک تو تقلیل جماعت کا باعث ہے جو مکروہ ہے اور دوسرا لوگوں کو مشقت میں ڈالنا ہے اور وہ بھی مکروہ ہے۔جیسے حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل قرأت سے منع فرمایا۔اور اسفار میں نماز پڑھنا باعث کثرت جماعت اور آسانی ہے۔علاوہ اس کے فجر کی نماز کے بعد اسی جگہ آفتاب نکلنے تک بیٹھے رہنا مستحب ہے جو اسفار میں آسان ہے لیکن غلس میں آسان نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

حدیث {۴}

ظہر کا مسنون وقت

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِي صلی اللہ علیہ وسلم فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ لَه' اَبْرِدْ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ يُّؤَذِّنَ فَقَالَ لَه' اَبْرِدْ ثُمَّ اَرَادَ أَنْ يُّؤَذِّنَ فَقَالَ لَه' اَبْرِدْ حَتّٰى سَاوٰى الْظِّلُّ التَّلُوْلَ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ (۱)

ترجمہ:۔حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے۔مؤذن نے اذان دینے کا

---

(۱)صحیح البخاری ۱/۸۷ باب الاذان،الصحیح لمسلم باب استحباب الابراد بالظہر ۱/۴۳۰۔

ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ٹھنڈا کرو یعنی وقت ٹھنڈا ہونے دو۔اس نے پھر تھوڑی دیر کے بعد اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ٹھنڈا ہونے دو۔اس نے پھر تھوڑی دیر کے بعد اذان کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اور ٹھنڈا ہونے دو۔ یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہوگیا۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ گرمی کی شدت دوزخ کے جوش سے ہوتی ہے۔

اس کو امام بخاری نے روایت کیا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد بھی رہتا ہے۔کیونکہ یہ امر مشاہدہ سے معلوم ہے کہ ٹیلوں کا سایہ بہت دیر سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ ٹیلے اشیا منبسطہ (۱) میں سے ہیں۔ یعنی مٹی یا ریت کے اونچے ڈھیر کو ٹیلہ کہتے ہیں۔اس کا سایہ جب ایک مثل ہو جیسا کہ حدیث مذکور میں آیا ہے تو اشیا منتصبہ (۲) لکڑی وغیرہ جو کھڑی کی جائے اس کا سایہ مثل سے زیادہ ہوتا ہے اور حدیث مذکور میں صاف تصریح ہے کہ ظہر کی اذان اس وقت ہوئی جب کہ ٹیلوں کا سایہ ان کے برابر ہوگیا۔تو یہ اذان کھڑی چیزوں کے سایہ کے ایک مثل کے بعد میں ہوئی۔تو ثابت ہوا کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد تک باقی رہتا ہے۔علاوہ اس کے اذان تو ایک مثل کے بعد ہوئی اور اذان اور نماز میں ایک معتد بہ فصل (۳) ہوتا ہے۔تو نماز کا ایک مثل کے بعد ہونا اور بھی ظاہر ہوگا۔یہی مذہب ہے حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کہ نماز ظہر کا وقت دو مثل تک باقی رہتا ہے۔

---

(۱) پھیلی ہوئی اشیاء۔(۲) نصب کی جانے والی اشیاء۔(۳) عادت کے مطابق وقفہ یا فاصلہ۔

اسی کی تائید میں وہ حدیث ہے جو کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔ انہوں نے رسول کریم ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ تمہاری عمر، ان لوگوں کی عمر کے مقابلہ میں جو تم سے پہلے تھے ایسی ہے جیسے کہ عصر کی نماز سے غروب شمس تک۔ اہل تورات کو تورات شریف ملی۔ انہوں نے کام کیا جب آدھا دن ہو گیا تو وہ عاجز آ گئے یعنی تھک گئے تو ان کو ایک ایک قیراط (۱) دیا گیا۔ پھر اہل انجیل کو انجیل شریف ملی تو انہوں نے عصر تک کام کیا پھر عاجز ہو کر رہ گئے تو ان کو بھی ایک ایک قیراط ملا پھر ہمیں قرآن دیا گیا تو ہم نے غروب آفتاب تک کام کیا تو ہمیں دو دو قیراط عطا ہوئے اس پر ان دونوں اہل کتاب (۲) نے کہا کہ اے خدا تو نے ان کو دو دو قیراط دیئے اور ہمیں ایک ایک قیراط دیا حالانکہ ہم کام میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا میں نے تمہاری مزدوری میں سے کچھ نقصان کیا؟ انہوں نے کہا نہیں۔ تو فرمایا کہ یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں دے دوں۔ اس کو بخاری نے روایت کیا۔ (۳)

---

(۱) درہم کے بارہویں حصے کے برابر ایک وزن' اور حدیث میں قیراط کے متعلق یوں بھی آیا ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص حالتِ ایمان میں اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ گیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی اور دفن سے فراغت تک اس کے ساتھ رہا اس کو دو قیراط اجر ملے گا اور ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہو گا، اور جو شخص نماز جنازہ پڑھ کر دفن سے پہلے لوٹ آیا اس کو ایک قیراط اجر ملے گا۔ الصحیح لبخاری ۱/۱۲ ا

(۲) یہود و نصاریٰ۔ (۳) صحیح البخاری ۲/۲ ۹ ۷۔

(ف):اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد دو مثل تک باقی رہتا ہے کیونکہ اس میں تصریح ہے کہ یہود و نصاریٰ دونوں کہتے ہیں اَکْثَرُ عَمَلٍ ایک دوسری روایت میں ہے وَ اَقَلُّ عَطَاءٍ کہ ہمیں کام بہت اور اجرت تھوڑی۔

تو اگر ظہر کا وقت ایک ہی مثل تک ختم ہو جائے اور عصر کا وقت شروع ہو جائے تو عصر کا وقت ظہر کے وقت کے برابر ہو جائے گا بلکہ کچھ زیادہ ہی ہو گا حالانکہ حدیث کے الفاظ یہ چاہتے ہیں کہ عصر کا وقت بہ نسبت ظہر کے وقت کے کم ہو اور یہ اُسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک باقی رہے اور دو مثل کے بعد عصر شروع ہو۔ تا کہ غروب آفتاب تک اس کا وقت ظہر کے وقت سے کم ہو۔ اس کی تائید میں وہ حدیث ہے جو امام مالک نے مؤطا میں عبد اللہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نماز کے اوقات کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: صَلِّ الظُّهْرَ إِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَكَ وَالْعَصْرَ إِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَيْكَ یعنی ظہر کو اس وقت ادا کر جبکہ تیرا سایہ تیری مثل ہو جائے اور عصر اس وقت پڑھ جبکہ تیرا سایہ دو مثل ہو جائے (۱) تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک مثل کے بعد ظہر کا وقت باقی رہتا ہے کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بہت بعید ہے کہ وہ نماز کا وقت گزر جانے کے بعد نماز پڑھنے کا حکم کریں۔ تو جب وہ ظہر کی نماز کو اس وقت پڑھنے کا حکم

(۱) المؤطا لامام مالك ۱/ ۸۔

دیتے ہیں جب سایہ ایک مثل ہوجائے تو معلوم ہوا کہ مثل کے بعد تک ظہر کا وقت باقی رہتا ہے۔ ایسے ہی نماز عصر کو دو مثل کے بعد پڑھنے کا حکم دیتے ہیں یہی مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے۔ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کی امامت والی حدیث (۱) میں تصریح ہے کہ جبریل نے پہلے دن عصر اس وقت پڑھی جبکہ سایہ ہر شے کا اس کی مثل تھا۔ پھر دوسرے دن ظہر اس وقت پڑھی جس وقت پہلے دن عصر پڑھی تھی۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں۔ صَلّٰی الْمَرَّۃَ الثَّانِیَۃَ الظُّھْرَ حِیْنَ کَانَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٍ مِثْلَہٗ لِوَقْتِ الْعَصْرِ بِالْاَمْسِ۔ اس کو ترمذی و ابوداؤد نے روایت کیا۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ ایک مثل کے بعد ظہر کا وقت باقی رہتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس حدیث سے نماز عصر کا ایک مثل کے وقت پڑھنا ثابت ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث جبریل علیہ السلام دربارہ وقت عصر منسوخ ہے کیونکہ حدیث ابوذر جس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں متاخر ہے اور حدیث جبریل یقیناً مقدم ہے۔ ان دونوں کی تطبیق ممکن نہیں۔ تو لامحالہ حدیث مقدم منسوخ سمجھی جائے گی۔ کَمَا قَالَ ابْنُ الْھُمَامِ فِیْ فَتْحِ الْقَدِیْرِ۔

نیز حدیث بریدہ رضی اللہ عنہ (۲) جس میں ایک سائل نے حضور پر نور،

---

(۱) جامع الترمذی ۱/۲۷۹، السنن لابی داؤد ۱/۱۰۷۔

(۲) الصحیح لمسلم ۱/۲۲۸۔

شافع یوم النشور ﷺ سے اوقات نماز کا سوال کیا اس کی تائید کرتی ہے۔ اس میں آیا ہے فَلَمَّا اَنْ کَانَ الْیَوْمُ الثَّانِي أَمَرَهٗ أَبْرِدْ بِالظُّهْرِ فَأَبْرَدَ بِهَا فَاَنْعَمَ أَنْ یُبْرِدَ بِهَا ۔جب دوسرا دن ہوا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ظہر کو سرد کرو تو اس نے سرد کیا اور سرد کرنے میں مبالغہ کیا اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ بعد مثل کے ادا ہو۔ اور یہ کہنا کہ بعد مثل ظہر اور عصر کا وقت مشترک ہے اجماع کے خلاف ہے۔ بعض علماء نے امام مالک علیہ الرحمۃ سے نقل کیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ ان کا قول بھی یہی ہے کہ ظہر کا اخیر وقت ایک مثل تک ہے۔ کَذَا فِیْ رَحْمَةُ الْاُمَّةِ لِلشَّعْرَانِیْ۔

اس تحقیق سے کما حقہ ثابت ہو گیا کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ کا مذہب کہ ظہر کا وقت دو مثل تک ہے نہایت صحیح اور احادیث صحیحہ کے موافق ہے۔ فقہاء علیہم الرحمۃ نے اسی کو اختیار کیا۔ بدائع میں اس کو صحیح لکھا ہے۔ محیط اور ینابیع میں وَ هُوَ الصَّحِیْحُ لکھا ہے۔

حدیث {۵}

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَیْحِ جَهَنَّمَ۔ مُتَّفِقٌ عَلَیْهِ (۱)

---

(۱)صحیح البخاری ۱/ ۱۹۸، الصحیح لمسلم ۱/ ۲۳۰۔

ترجمہ:- حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب گرمی کی شدت ہوتو نماز کوٹھنڈا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے۔

اس حدیث کو بخاری ومسلم نے روایت کیا۔ایک دوسری حدیث (۱) میں تصریح ہے کہ ظہر کوٹھنڈا کرو جس کوامام بخاری نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔معلوم ہوا کہ نماز کو گرمیوں میں ٹھنڈا کرکے پڑھنا مستحب ہے۔

یہی مذہب امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ وجمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے۔ رہی یہ بات کہ ابراد (۲) کی حد کیا ہے۔احادیث میں اس کی حد بھی معلوم ہوتی ہے کہ ایک مثل کے بعد پڑھے۔چنانچہ حدیث چہارم میں مفصل گزرا۔تو گرمیوں میں ظہر کو مثل سے پہلے پڑھنا اس حدیث کے خلاف ہے۔نماز جمعہ کا بھی یہی حکم ہے کہ گرمیوں میں دیر سے اور سردیوں میں سویرے پڑھنا مستحب ہے۔

حدیث {٦}

عَنْ عَلِّيِ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ قَدِمْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْمَدِيْنَةَ فَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَصْرَ مَا دَامَتِ الشَّمْسُ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً ۔

(۱) صحیح البخاری ۳/ ۱۹۰ ا، ۱/ ۱۹۹۔ (۲) ٹھنڈا کرنا۔یعنی گرمی کے جوش میں جب کچھ کمی آجائے تو اُس وقت ظہر ادا کرنا۔

رواه أبو داؤد وسكت عنه۔

ترجمہ:۔حضرت علی بن شیبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم مدینہ شریف میں رسول کریم، رؤف رحیم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ علیہ السلام عصر کی نماز میں تاخیر فرماتے تھے جب تک سورج صاف اور روشن رہتا۔(۱)

اس کو ابوداؤد نے روایت کیا اور اس پر سکوت فرمایا۔ابوداؤد جس حدیث پر سکوت فرماتے ہیں وہ ان کے نزدیک حسن ہوتی ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز عصر کو تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے۔اور تاخیر کی حد بھی معلوم ہوگئی کہ سورج کے زرد ہونے سے پہلے پڑھے جبکہ آفتاب صاف اور روشن ہو۔ اتنی تاخیر نہ کرے کہ وقت مکروہ ہوجائے۔ اسی کی تائید میں وہ حدیث ہے جو امام احمد وترمذی نے بسند صحیح ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے۔وہ فرماتی ہیں کہ جناب رسول کریم ﷺ نماز ظہر کو تم سے جلدی پڑھتے تھے اور تم نماز عصر جناب رسول کریم ﷺ سے جلدی پڑھتے ہو(۲)۔ معلوم ہوا کہ نماز عصر میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔رسول کریم ﷺ کا یہی طریقہ تھا اور یہی امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔

عبدالرزاق اپنی مصنف میں ثوری سے وہ ابواسحاق سے وہ عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عصر کی نماز میں تاخیر کیا

---

(۱) سنن ابی داؤد ۱ / ۱۱۱ (۲)جامع الترمذی ابواب الصلوۃ ۱ / ۲۳۔

کرتے تھے۔(۱)

اسی طرح عبد الواحد بن نافع کہتے ہیں کہ میں مسجد مدینہ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ میں داخل ہوا تو مؤذن نے نماز عصر کے لئے اذان دی۔ ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے مؤذن کو ملامت کی اور فرمایا کہ میرے باپ نے مجھے خبر دی ہے کہ رسول کریم ﷺ نماز عصر کی تاخیر کا حکم دیا کرتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں۔ لوگوں نے کہا یہ عبداللہ بن رافع بن خدیج ہیں۔ اس حدیث کو دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا۔ صحیح بہاری جلد۲ ص ۳۵۹

معلوم ہوا کہ نماز عصر میں تاخیر مستحب ہے اور جن حدیثوں میں عصر کا سویرے (۲) پڑھنا آیا ہے وہ ان احادیث کے منافی نہیں کیونکہ سورج کے تغیر سے پہلے عصر پڑھ لینے سے غروب تک نَحْرٌ طَبْخٌ اَکْلٌ (۳) سب کچھ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اہل بادیہ (۴) یہ سب کام جلدی کر لیتے ہیں۔

حدیث ۷

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَلَمَّا دَلَكَتِ الشَّمْسُ أَذَّنَ بِلَالُ الظُّهْرَ فَأَمَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَأَقَامَ الصَّلٰوۃَ فَصَلّٰی ثُمَّ أَذَّنَ لِلْعَصْرِ

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱/۳۰۶۔ (۲) جلدی۔ (۳) ذبح کرنا، پکانا اور کھانا۔ (۴) دیہاتی۔

حِيْنَ ظَنَنَّا أَنَّ ظِلَّ الرَّجُلِ أَطْوَلُ مِنْهُ فَأَمَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلَّى ثُمَّ اَذَّنَ لِلْمَغْرِبِ حِيْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ فَأَمَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ صَلَّى ثُمَّ اَذَّنَ لِلْعِشَآءِ حِيْنَ ذَهَبَ بَيَاضُ النَّهَارِ وَ هُوَ الشَّفَقُ ثُمَّ اَمَرَهُ فَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ صَلَّى ثُمَّ اَذَّنَ لِلْفَجْرِ فَأَمَرَهٗ فَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلَّى ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالُ الْغَدَ لِلظُّهْرِ حِيْنَ دَلَكَتِ الشَّمْسُ فَأَخَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِّثْلَيْهِ فَأَمَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَأَقَامَ وَ صَلَّى ثُمَّ أَذَّنَ لِلْمَغْرِبِ حِيْنَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَأَخَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى كَادَ يَغِيْبُ بَيَاضُ النَّهَارِ وَهُوَ الشَّفَقُ فِيْمَا يُرٰى ثُمَّ اَمَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلَّى ثُمَّ أَذَّنَ لِلْعِشَاءِ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ فَنِمْنَا ثُمَّ قُمْنَا مِرَارًا ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ مَا اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ يَنْتَظِرُ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ غَيْرَكُمْ فَاِنَّكُمْ فِيْ صَلٰوةٍ مَاانْتَظَرْتُمُوْهَا وَلَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِي لَاَمَرْتُ بِتَأْخِيْرِ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ اَوْ اَقْرَبَ مِنَ اللَّيْلِ ثُمَّ اَذَّنَ لِلْفَجْرِ فَأَخَّرَهَا حَتّٰى كَادَتِ الشَّمْسُ اَنْ تَطْلَعَ فَأَمَرَهٗ فَأَقَامَ الصَّلٰوةَ فَصَلّٰى ثُمَّ قَالَ ، اَلْوَقْتُ فِيْمَا بَيْنَ هٰذَيْنِ ۔ رَوَاهُ الطَّبْرَانِي فِى الْاَوْسَطِ وَ اَسْنَادُهٗ حَسَنٌ مَجْمَعُ الزَّوَائِدِ ۔

ترجمہ:-حضرتِ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے اوقات کے متعلق سوال کیا۔تو جب آفتاب ڈھل گیا تو بلال رضی اللہ عنہ نے ظہر کی آذان دی اس کے بعد آپ ﷺ نے حکم دیا تو اس نے تکبیر کہی تو آپ نے نماز پڑھی اس نے عصر کی آذان اس وقت کہی جب کہ ہم نے سمجھا کہ آدمی کا سایہ اس سے بڑھ گیا ہے۔اس کے بعد آپ ﷺ نے حکم دیا تو انہوں نے تکبیر کہی تو آپ ﷺ نے نماز پڑھی پھر نماز مغرب کی آذان اس وقت دی جبکہ آفتاب غروب ہوگیا۔اس کے بعد آپ ﷺ نے اسے حکم دیا تو اس نے تکبیر کہی تو آپ ﷺ نے نماز مغرب پڑھی۔پھر عشاء کی آذان اس وقت دی جبکہ دن کی سفیدی یعنی شفق جاتی رہی تو آپ ﷺ نے حکم دیا۔اس نے تکبیر کہی تو آپ ﷺ نے نماز عشاء پڑھی پھر فجر کی آذان دی اس کے بعد آپ ﷺ نے حکم دیا تو انہوں نے تکبیر کہی تو آپ ﷺ نے نماز پڑھی پھر اگلے دن بلال رضی اللہ عنہ نے ظہر کی آذان اس وقت دی جبکہ آفتاب ڈھل گیا۔تو آپ ﷺ نے یہاں تک تاخیر کی کہ ہر شے کا سایہ اس کے برابر ہوگیا۔اس کے بعد آپ ﷺ نے حکم دیا تو اس نے تکبیر کہی تو آپ ﷺ نے نماز پڑھ لی۔پھر اس نے عصر کی آذان دی تو آپ ﷺ نے یہاں تک تاخیر کی کہ ہر شے کا سایہ اس کے دو مثل یعنی دوگنا ہوگیا۔تو آپ ﷺ نے امر کیا تو اس نے تکبیر کہی تو آپ ﷺ نے نماز پڑھ لی۔پھر اس نے مغرب کی آذان اس وقت دی جبکہ سورج غروب ہوگیا تو آپ ﷺ نے یہاں تک تاخیر فرمائی کہ دن کی سفیدی غائب

ہونے کے قریب ہوگئی اور وہ شفق ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا تو انہوں نے تکبیر کہی تو آپ ﷺ نے نماز پڑھی پھر عشاء کی آذان اس وقت دی جب شفق یعنی دن کی سفیدی غائب ہوگئی پھر ہم سو گئے پھر جاگے۔ کئی بار ایسا ہوا۔ پھر رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تمہارے سوا کوئی آدمی اس نماز کا انتظار نہیں کر رہا۔ پس تم نماز میں ہی ہو جب تک نماز کے انتظار میں رہو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں تاخیر کا حکم کر کے اپنی امت کو مشقت میں ڈال دونگا تو اس نماز کو نصف شب یا قریب نصف شب تک تاخیر کا حکم دیتا۔ پھر انہوں نے فجر کی آذان دی تو آپ ﷺ نے یہاں تک تاخیر کی کہ آفتاب قریب طلوع تھا۔ تو آپ ﷺ نے امر فرمایا تو انہوں نے تکبیر کہی تو آپ ﷺ نے نماز فجر پڑھی۔ پھر فرمایا کہ وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے۔

اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ شفق سے مراد وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد ہوتی ہے اور یہ امر متفق علیہ ہے کہ غروب شفق تک مغرب کا وقت رہتا ہے۔ اور بعد غروب شفق عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ اور شفق سے مراد سفیدی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں تصریح ہے۔ تو معلوم ہوا کہ سفیدی تک مغرب کا وقت رہتا ہے۔ سفیدی دور ہوجائے پھر عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا۔ رہی یہ بات کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا

---

(۱) مجمع الزوائد ۱/ ۳۰۴، معجم الاوسط ۷/ ۴۰

ہے کہ عصر کا وقت مثلین سے پہلے ہو جاتا ہے۔اس کا جواب حدیث چہارم میں گزرا۔ فَلَا نُعِیْدُہٗ ۔

اسی کی تائید میں وہ حدیث ہے (۱) جو کہ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔کہا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز کے لئے اول اور آخر ہے نماز ظہر کا اول زوال شمس کے وقت ہے۔اور اس کا آخر (۲) جبکہ عصر کا وقت آ جائے۔اور وقت عصر کا اول جبکہ اسکا وقت ہو جائے اور اس کا آخری وقت جبکہ سورج زرد ہو جائے (یعنی وقت مستحب سورج کی زردی تک ہے) اور مغرب کا اول غروب شمس کے وقت ہے اور اس کا آخری وقت شفق کے غائب ہونے کے وقت ہے اور عشاء کا آخری (مستحب) وقت جب کہ آدھی رات ہو جائے ۔اور فجر کا اول وقت طلوع فجر اور اس کا آخری وقت طلوع شمس تک ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشاء کا اول وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب کہ سفیدی غائب ہو جائے کیونکہ افق اسی وقت غائب ہوتی ہے جب سپیدی غائب ہو۔اور یہ امر متفق علیہ ہے کہ مغرب اور عشاء کے درمیان فصل نہیں۔تو ثابت ہوا کہ سپیدی تک مغرب کی نماز کا وقت ہے۔

اسی طرح ابوداؤد کی حدیث (۳) میں آیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) جامع الترمذی ابواب الصلوۃ ۱ /۲۲۔ (۲) معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر کے درمیان فصل نہیں۔(۳) السنن لابی داؤد ۱ /۱۸۴ ۔

عشاء کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب کہ افق (کنارۂ آسمان) سیاہ ہوجاتا تھا۔تو افق کا سیاہ ہونا سفیدی کے زائل ہونے کے بعد ہوتا ہے۔اس سے بھی معلوم ہوا کہ شفق سے مراد سپیدی ہے ۔ یہی مذہب ہے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق و معاذ بن جبل و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کا ۔اور عمر بن عبدالعزیز اور اوزاعی و مزنی و ابن المنذ رو خطابی علیہم الرحمۃ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔مبرد اور ثعلب نے اسی کو پسند کیا ہے۔وَ اللّٰہُ تَعَالیٰ اَعۡلَمُ ۔

حدیث {۸}

تاخیر عشاء

عَنْ اَبِيْ سَعِيدٍ قَالَ صَلَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ صَلوٰةَ الْعَتَمَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ حَتّٰى مَضٰى نَحْوٌ مِنْ شَطْرِ اللَّيْلِ فَقَالَ خُذُوْا مَقَاعِدَكُمْ فَأَخَذْنَا مَقَاعِدَنَا فَقَالَ إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلُّوْا وَاَخَذُوْا مَضَاجِعَهُمْ وَإِنَّكُمْ لَمْ تَزَالُوْا فِيْ صَلوٰةٍ مَا انْتَظَرْتُمْ لِصَّلوٰةِ وَلَوْ لَا ضُعْفُ الضَّعِيْفِ وَسُقْمُ السَّقِيْمِ لَأَخَّرْنَا هٰذِهِ الصَّلوٰةَ إِلٰى شَطْرِ اللَّيْلِ ۔ رَوَاهُ اَبُو دَاوُدَ وَ النِّسَائِيْ وَ ابْنُ مَاجَهْ ۔(۱)

---

(۱)السنن ابو داؤد ۱/ ۱۱۶ ، النسائی ۱/ ۲۲۸،سنن ابن ماجہ ۱/ ۳۸۱۔

ترجمہ:- حضرت سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہا انہوں نے کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی عشاء کی یعنی کئی راتوں میں اور ایک رات آپ نہ نکلے یہاں تک کہ قریب آدھی رات کے گزر گئی۔ یا یہ کہ ہم نے عشاء پڑھنے کا ارادہ کیا یا یہ کہ ہم نے عشاء پڑھی جس کی تفصیل یہ کہ آپ نہ نکلے یہاں تک کہ تقریباً آدھی رات گزر گئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ اپنی جگہ بیٹھے رہو۔ ہم اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہے تو آپ نے فرمایا کہ اور لوگ نماز پڑھ چکے اور اپنی خوابگاہوں میں لیٹ چکے اور تم جب سے نماز کے انتظار میں ہو نماز میں ہی ہو۔ اگر مجھے ضعفِ ضعیف (۱) اور مرضِ مریض کا خیال نہ ہوتا تو میں اس نماز کو نصف شب تک مؤخر کر دیتا۔

اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز میں تاخیر مستحب ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔ اس حدیث کے یہ معنی نہیں کہ آدھی رات ہو جانے کے بعد نماز پڑھی جاتی تھی۔ کیونکہ آدھی رات کے بعد (آخری تہائی حصہ میں) نماز مکروہ (۲) ہے۔ بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ ایسے وقت میں نماز پڑھی جائے کہ آدھی رات تک ختم ہو جائے۔ اسی کی تائید میں وہ حدیث ہے جو حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی۔ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ میں اپنی امت کو مشقت میں ڈال دوں گا تو میں ان کو حکم دیتا کہ وہ عشاء کی

---

(۱) بوڑھوں کی ناتوانی۔ (۲) تنزیہی۔

نمازکو رات کی تہائی یا نصف تک تاخیر کریں۔اس کو ترمذی نے روایت کیا۔(۱)
صحیح مسلم میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ
نماز عشاء میں تاخیر فرمایا کرتے تھے۔معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی عادت
مبارکہ نماز عشاء میں غالب اوقات میں تاخیر تھی۔(۲) و بهذا قال إمامنا
الاعظم والجمهور ۔(۳)

حدیث {۹}

جمع بین الصلوٰتین

عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ :
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَمَا اَنَّه' لَيْسَ فِيْ النَّوْمِ تَفْرِيْطٌ اِنَّمَا
التَّفْرِيْطُ عَلَى مَنْ لَّمْ يُصَلِّ حَتَّى يَجِيْءَ وَقْتُ صَلوٰةِ
الْاُخْرٰى۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ (۴)

ترجمہ:- سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ سو جانے میں تفریط

---

(۱)جامع الترمذی ابواب الصّلوۃ ۱/۲۱۴ ۔(۲)الصحیح لمسلم۔کتاب المساجد ۱/۲۲۹۔ (۳)اوراسی طرح ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ اور جمہور علماء نے فرمایا۔(۴) الصحیح لمسلم ۱/۲۷۳،السنن لبیهقی الکبریٰ ۱/۳۷۶، السنن لابی داؤد ۱/۶۴

نہیں (۱)۔تفریط (یعنی جرم)اس پر ہے جو نہ نماز پڑھے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے۔

اس کو مسلم نے روایت کیا۔ یہ حدیث قولی اس امر پر نص قاطع (۲) ہے کہ جو شخص نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے وہ مفرط ہے یعنی قصور کرنے والا ہے۔معلوم ہوا کہ جو شخص ایک وقت میں دو نمازیں جمع کرے وہ مفرط ہے کیونکہ اس نے نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آ گیا۔ پھر اس نے دونوں کو جمع کیا تو بموجب اس حدیث کے وہ مجرم ٹھہرا۔اسی مضمون کی حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی آئی ہے جس کو امام طحاوی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا کہ کوئی نماز اس وقت تک فوت نہیں ہوتی جب تک دوسری نماز کا وقت نہ آ جائے۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز میں کوتاہی کرنا یہ ہے کہ تم اس میں اتنی دیر کرو کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے۔ یہ دونوں حدیثیں امام طحاوی رحمہ اللہ نے روایت کی ہیں۔آ ثار السنن میں دونوں کو صحیح لکھا ہے۔

قرآن شریف میں اللہ جل جلالہ فرماتا ہے:

---

(۱)حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ''اگر نماز کے وقت اتفاقاً آنکھ نہ کھلے اور نماز قضا ہو جائے تو گناہ نہیں، گناہ تو اس میں ہے کہ انسان جاگتا رہے اور دانستہ نماز قضا کر دے خیال رہے کہ وقت پر آنکھ نہ کھلنا اگر اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہو، گناہ ہے، جیسے رات کو بلا وجہ دیر سے سونا جس سے دن چڑھے آنکھ کھلے یقیناً جرم ہے۔(مراۃ المناجیح،۱/ ۳۶۳) (۲)واضح حکم۔

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا ط

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے۔(النساء ۱۰۳/۵)

یعنی نہ وقت کے پہلے صحیح نہ وقت کے بعد تاخیر روا۔ بلکہ ہر نماز فرض ہے کہ اپنے وقت پر ادا ہو۔ نیز آیت:

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۔

ترجمۂ کنزالایمان: نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور بیچ کی نماز کی۔(البقرۃ ۲۳۸/۲)

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نماز کی محافظت کا حکم ہے۔ خصوصاً نماز وسطیٰ (۱) کا کہ کوئی نماز وقت سے اِدھر اُدھر نہ ہو۔ بیضاوی اور مدارک میں ایسا ہی لکھا ہے۔ اور آیت: وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۔

---

(۱) درمیانی نماز۔ صلوۃ وُسطیٰ کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ نماز فجر ہے، ایک قول یہ ہے کہ نماز ظہر ہے، ایک قول یہ ہے کہ عصر، مغرب، یا عشاء، ایک قول یہ ہے کہ وتر، ایک قول یہ ہے کہ تہجد، ایک قول یہ ہے کہ چاشت واشراق اور ایک قول یہ ہے کہ عیدین مُراد ہے۔ (ملخص از تفسیر روح المعانی ۱۵۶/۲)، مگر راجح قول نمازِ عصر کے متعلق ہے۔ جیسا کہ امام عبدالرزاق، امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں۔ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے نمازِ وُسطیٰ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا ہم یہ خیال کرتے تھے کہ صلوۃ وُسطیٰ فجر کی نماز ہے۔ حتی کہ میں نے جنگ خندق کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا اُن (کفار) کیساتھ مشغول رہنے کی وجہ سے ہم صلوۃ وسطیٰ العصر نہیں پڑھ سکے، اللہ تعالیٰ اُن کی قبروں کو اور ان کے پیٹوں کو آگ سے بھردے۔ (الصحیح مسلم، کتاب المساجد ۲۲۶/۱)۔ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ایک موقع پر صلوۃ وُسطیٰ سے متعلق فرماتے ہیں۔

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں۔ (المومنون ۹/۱۸) میں انہی لوگوں کو جنت کے سچے وارث فرمایا ہے جو نماز کو وقت سے بے وقت نہیں ہونے دیتے۔حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آیت:

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِم خَلۡفٌ اَضَاعُوۡا الصَّلوٰةَ :

ترجمۂ کنزالایمان: تو اُن کے بعد اُنکی جگہ وہ ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں گنوائیں۔(مریم،۱۶/ ۵۹) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: أَخَّرُوهَا عَنۡ مَوَاقِيۡتِهَا وَصَلَّوۡهَا لِغَيۡرِ وَقۡتِهَا یہ لوگ جن کی مذمت اس آیت میں ہے وہ ہیں جو نمازوں کو ان کے وقت سے ہٹاتے ہیں اور غیر وقت میں پڑھتے ہیں۔عمدۃ القاری ومعالم وبغوی (۱) ہم تیسری حدیث کے ضمن میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی متفق علیہ حدیث لکھ آئے ہیں جس میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے غیر وقت میں نماز پڑھی ہو۔سوائے دو نمازوں کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء کو غیر وقت میں جمع کیا۔اور فجر کو اس کے وقت سے پہلے پڑھا

⇨

مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے واری تیری نیند پر نماز ا
ور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے

۔نسائی میں اس طرح آیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نماز کو اس کے وقت میں پڑھا کرتے تھے مگر مُزدلفہ اور عرفات میں۔ اس کی سند صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ جن حدیثوں میں جَمَعَ بَیۡنَ الصَّلٰوتَیۡنِ آیا ہے ان سے مراد جمع صوری (۱) ہے کہ صورتاً جمع ہیں اور حقیقتاً اپنے اپنے وقت میں ادا کی گئیں۔ احادیث میں اس کی صراحت (۲) بھی موجود ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے مؤطا میں لکھا ہے کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام آفاق (۳) میں فرمان نافذ فرمایا کہ کوئی شخص دو نمازیں جمع کرنے نہ پائے اور فرمایا کہ ایک وقت میں دو نمازیں جمع کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

الحاصل جمع دو قسم ہے۔ جمع تقدیم۔ مثلاً ظہر کے ساتھ عصر یا مغرب کے ساتھ عشاء پڑھ لے۔ اس کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں۔ دوسری جمع تاخیر یعنی ظہر یا مغرب کو قصداً یہاں تک تاخیر کرنا کہ وقت نکل جائے پھر عصر یا عشاء کے وقت دونوں نمازوں کا پڑھنا۔ اس بارے میں جو احادیث آئی ہیں یا تو ان میں صراحتاً جمع صوری مذکور ہے یا مجمل ہے محتمل۔ جو اسی صریح مفصل پر محمول ہے۔ البتہ عرفہ میں جمع تقدیم اور مزدلفہ میں جمع تاخیر بوجہ نسک (۴)

---

(۱) اس سے مراد یہ ہے کہ واقع میں ہر نماز اپنے وقت میں واقع، مگر ادا میں مل جائیں جیسے ظہر اپنے آخر وقت میں پڑھی کہ اس کے ختم پر وقت عصر آ گیا۔ اَب فوراً عصر اول وقت پڑھ لی۔ فتاویٰ رضویّہ جدید، ۱۶۰/۵۔ اَب یہ دونوں دیکھنے میں ایک ساتھ نظر آ رہی ہیں۔ تو اس لئے اسے جمع صوری کہتے ہیں۔ حقیقت میں دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں ادا کی گئیں، (۲) وضاحت۔ (۳) تمام شہروں میں۔ (۴) قربانی۔

باتفاق امت جائز ہے اور کسی موقع پر جائز نہیں۔ وَالْبَسْطُ فِی کِتَابِنَا تَائِیْدُ الْاِمَامِ فَلْیَنْتَظِرْ ثَمَّہٗ ۔(۱)

حدیث {۱۰}

عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ شَقِیْقِ بْنِ سَلْمَۃَ قَالَ شَهِدْتُّ عَلِیَّ ابْنِ أَبِيْ طَالِبٍ وَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ تَوَضَّاَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَ اَفْرَدَ الْمَضْمَضَۃَ مِنَ الْاِسْتِنْشَاقِ ثُمَّ قَالَا هٰکَذَا رَاَیْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ تَوَضَّاَ۔ رَوَاہُ عَلِیّ بْنِ السُّکَنِ فِي صِحَاحِہِ ، آثَارُالسُّنَنِ (۲)

ترجمہ:۔حضرت ابووائل شقیق بن سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت سیدنا علی اور حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس حاضر ہوا ان دونوں نے تین تین بار وضو کے اعضاء کو دھویا اور کلی کو ناک میں پانی ڈالنے سے علیحدہ کیا۔ پھر فرمایا کہ ہم نے رسول کریم ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا۔

اس حدیث کو ابن السکن نے اپنی صحاح میں روایت کیا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کلی الگ تین بار اور ناک میں الگ تین بار پانی ڈالنا چاہیئے ۔یعنی دونوں کے لئے الگ الگ پانی لینا چاہیئے ۔امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے۔

---

(۱)مزید وضاحت ہماری کتاب تائید الامام (جو حافظ ابوبکر بن شیبہ کی تالیف الرد علی ابی حنیفة کا محققانہ رد) میں ہے چاہو تو وہاں دیکھ لو۔(۲)تلخیص الحبیر ۷۹/۱،الاحادیث المختارہ ۵۷۲/۱۔

اسی طرح ابوداؤد(۱) کی حدیث میں آیا ہے کہ ابن ابی ملیکہ سے وضو کا سوال ہوا۔ تو انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کو وضو کا سوال ہوا۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے پانی منگوایا۔ تو آپ رضی اللہ عنہ کے پاس پانی کا برتن لایا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے داہنے ہاتھ پر اس کو جھکایا۔ یعنی اس برتن سے داہنا ہاتھ دھویا پھر آپ رضی اللہ عنہ نے داہنے ہاتھ کو پانی میں ڈال کر تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈالا پھر تین بار منہ دھویا۔ پھر تین بار دایاں ہاتھ دھویا اور بایاں ہاتھ تین بار دھویا۔ پھر اپنا ہاتھ ڈال کر پانی لیا اور سر کا مسح کیا اور کانوں کے ظاہر و باطن کا ایک مسح کیا۔ پھر دونوں پاؤں دھوئے اور فرمایا کہ وضو کے سائل کہاں ہیں؟ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے۔ آثار السّنن میں اس حدیث کی سند کو صحیح لکھا ہے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مضمضہ (۲) اور استنشاق (۳) الگ الگ کرنا چاہیئے البتہ جن روایتوں میں جَمَعَ بَیْنَ الْمَضْمَضَةِ وَ الْاِسْتِنْشَاقِ آیا ہے وہ جواز پر محمول ہیں لیکن افضل فصل (۴) ہے۔

حدیث {۱۱}

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ

---

(۱) السّنن لابی داؤد باب صفة وضوٴ النّبي صلی اللہ علیہ وسلم ۱/۱۷ (۲) کُلّی کرنا (۳) ناک میں پانی چڑھانا۔ (۴) الگ الگ کرنا۔

بِيَدَيْهِ عَلىٰ عُنُقِهٖ وَقِى الْغُلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔ (رواہ ابو الحسن بن فارس : بِاَسْنَادِهٖ وَ قَالَ هٰذَا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالىٰ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔ تَلْخِيْصُ الْحَبِيْرِ ۔(۱)

ترجمہ :- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ، رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وضو کرے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے گردن کا مسح کرے وہ قیامت کے دن طوق سے محفوظ رکھا جائے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گردن کا مسح کرنا مستحب امر ہے۔ چونکہ اس میں مواظبت (۲) ثابت نہیں اس لئے سنت نہیں ۔اس کی تائید میں وہ حدیث ہے جس کو دیلمی نے مسند فردوس میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلىٰ عُنُقِهٖ وَقِى الْغُلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔

ترجمہ: کہ جو شخص وضوٗ کرے اور گردن کا مسح کرے وہ قیامت کے دن طوق سے محفوظ رہے گا۔احیاء السنن ص ۳۸

اِس کی تائید میں وہ حدیث ہے جس کو امام محمد رحمہ اللہ نے روایت کیا کہ طلحہ اپنے باپ سے وہ اس کے جد سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر کا مسح کرتے یہاں تک کہ قذال (کیاڑی کا اول حصہ)(۳) تک پہنچ جاتے جو کہ متصل ہے گردن کی اگلی جانب کو۔ابن

---

(۱)تلخیص الحبیر ۱/ ۹۳۔ (۲)ہمیشگی ۔(۳) گدّی۔

تیمیہ نے منتقی ص ۱۸ میں اس حدیث سے مسح گردن کے ثبوت پر استدلال کیا ہے۔ نیز ابوعبید کتاب الطہور میں موسی بن طلحہ سے روایت کرتے ہیں:

اَنَّہٗ قَالَ مَنْ مَسَحَ قَفَاہُ مَعَ رَاسِہٖ وَقِی الْغُلَّ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

موسیٰ بن طلحہ فرماتے ہیں جو شخص پشت گردن کا مسح سر کے ساتھ کرے وہ قیامت کے دن طوقِ نار سے محفوظ رہے گا (تلخیص ص ۳۴) علامہ زیلعی نے تخریج ہدایہ کے ص ۸ میں مسند بزار کی روایت سے رسول کریم ﷺ کے وضو کی حکایت نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

ثُمَّ مَسَحَ عَلٰی رأْسِہٖ ثَلٰثاً وَ ظَاھِرِ اُذُنَیہِ ثَلٰثاً وَظَاھِرِ رَقَبَتِہٖ۔

اس حدیث میں ظاہر گردن کا مسح ثابت ہوتا ہے۔ بہرحال مسح گردن مستحب ہے بدعت نہیں۔ شیخ ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

اَلْاِسْتِحْبَابُ یَثْبُتُ بِالضَّعِیفِ غَیْرَ الْمَوْضُوْعِ۔

ترجمہ: کہ حدیث ضعیف سے استحباب ثابت ہوتا ہے۔

امام نووی کتاب الاذکار ص ۱۶ میں فرماتے ہیں:

قَالَ الْعُلَمَاءُ مِنَ الْمُحَدِّثِیْنَ وَالْفُقَھاء وَغَیْرُھُمْ یَجُوْزُ وَ یَسْتَحِبُّ الْعَمَلُ فِي الْفَضَائِلِ وَالتَّرْغِیْبِ وَالتَّرْھِیْبِ بِالْحَدِیْثِ الضَّعِیْفِ مَالَمْ یَکُنْ مَوْضُوْعًا۔

ترجمہ: مُحَدِّثِین و فُقَہَاء وغیرہم فرماتے ہیں کہ ضعیف حدیث پر فضائلِ اعمال اور ترغیب(۱) و ترہیب(۲) میں عمل کرنا مستحب ہے۔ ہاں موضوع(۳) پر عمل جائز نہیں تو حدیث مسح گردن اگر چہ ضعیف ہے اس پر عمل کرنا محدثین و فقہاء کے نزدیک مستحب ہے اس لئے کہ یہ فضائل اعمال میں سے ہے۔ اس زمانہ کے مدعیان عمل بالحدیث پر افسوس ہے کہ انہوں نے مسح گردن بالکل ترک کر دیا ہے۔ بلکہ بدعت(۴) کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ دے۔

حدیث {۱۲}

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَصَابَه' قَيئٌ أَوْ رُعَافٌ أَوْ قَلَسٌ أَوْمَذْيٌ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّاْ ثُمَّ لِيَبْنِ عَلٰی صَلٰوتِهٖ وَهُوَ فِيْ ذٰلِكَ لَا يَتَكَلَّمْ۔ رواہ

---

(۱) اعمالِ صالحہ کیلئے شوق بڑھانا۔ (۲) گناہوں کے عذاب سے ڈرانا۔ (۳) من گھڑت روایت۔

(۴) بدعت بُرا طریقہ بدعت کے بارے میں حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اچھا طریقہ ایجاد کیا کہ اس کے بعد لوگ اس پر عمل پیرا ہوئے تو سب عمل کرنیوالوں کے برابر اس کو ثواب ملے گا اور ان کے ثواب میں کمی نہ ہوگی۔ اور جس نے برا طریقہ نکالا کہ لوگ اس کے بعد اس روش پر چلے تو سب کا گناہ اس کے سر ہوگا جبکہ ان کے گناہوں سے کچھ کم نہ ہوگا۔ (سّنن ابن ماجه ، المقدّمة ، ۱/ ۱۹) اس حدیثِ پاک کی روشنی میں معلوم ہوا کہ بدعت اچھے یا بُرے طریقہ کو کہتے ہیں۔ جن احادیث میں بدعت کی مذمت آئی ہے اُس سے مراد بُری بدعت ہے۔

ابن ماجۃ۔

ترجمہ:- حضرت سَیِّدَ تُنَا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرمایا رسول کریم ﷺ نے جس شخص کو قے یا نکسیر یا قلس (منہ بھر قے) آجاوے یا مذی نکلے تو وہ نماز سے ہٹ جائے پھر وضو کرے پھر اپنی نماز پر بنا کرے اور اس کے درمیان کلام نہ کرے۔(۱)

اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا۔ یہ حدیث مرسل صحیح ہے اسی کی تائید میں وہ حدیث جس کو عبدالرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مصنف میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا جب کسی شخص کو نکسیر آجاوے نماز میں یا قے کا غلبہ ہو جائے یا مذی پائے سو وہ شخص ہٹ جائے پھر وضو کرے پھر اپنی جگہ آجائے اور باقی نماز کو گذشتہ نماز پر مبنی کر کے تمام کرے۔ جب تک کلام نہ کیا ہو۔ اس کی سند صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ منہ بھر قے (۲) اور

---

(۱)سنن ابن ماجہ ۔ باب ماجاء فی البناء علی الصّلوۃ ص ۶۹۔ (۲) یعنی جسے بِلا تکلّف نہ روکا جاسکے۔ (عالمگیری ۱/۲۰۴)، قے کے احکام پیشِ خدمت ہیں۔ (الف) وُضو کی حالت میں (جان بوجھ کر کریں یا خود بخود ہو جائے دونوں صورتوں میں) اگر مُنہ بھر قے آئی اور اس میں کھانا، پانی یا صَفراء (کڑوا پانی) آیا تو وضو ٹوٹ جائے گا (الدّر المختار ۳۹۳/۳) (ب) اگر بَلْغَم کی منہ بھر قے ہوئی تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ (الدر المختار ۳۹۴/۳) (ج) بہتے خون کی قے وضو توڑ دیتی ہے۔ (د) بہتے خون کی قے سے وضو اس وقت ٹوٹے گا جب خون تھوک سے مغلوب نہ ہو۔ (الشّامی ۲۶۷/۱) یعنی خون کی وجہ سے قے سُرخ ہو رہی ہے تو خون غالب ہے وضو ٹوٹ گیا اور اگر تھوک زیادہ ہے اور خون کم تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ پوری

نکسیر(۱) اور مذی (۲) سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔یہی مذہب ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا۔

حدیث {۱۴}

عَنْ طَلَقِ بْنِ عَلِیٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنْ مَسِّ الرَّجُلِ ذَکَرَہ، بَعْدَ مَا یَتَوَضَّأُ قَالَ وَھَلْ ھُوَ اِلَّا بِضْعَۃٌ مِّنْہُ ۔ رَوَاہُ اَبُو دَاوٗد وَ التِّرْمِذِیْ وَالنِّسَائِیْ (۳)

ترجمہ:۔طلق بن علی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کوئی شخص وضو کرکے اپنے ذَکر کو مس (۴) کرے (تو کیا حکم ہے؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں وہ مگر ایک ٹکڑا اس سے۔

یعنی ذَکر بھی اس کے بدن کا ایک ٹکڑا ہے تو جس طرح بقیہ اعضاء کو

⬅ قے جو تھوک پر مشتمل ہے وہ زرد (پیلی) ہے۔ (ہ) اگر قے میں جما ہوا خون نکلا اور وہ منہ بھر سے کم ہے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔(بہارِ شریعت ۲/ ۱۸) منہ بھر قے (علاوہ بلغم کے) بالکل پیشاب ہی کی طرح ناپاک ہے۔اس کا کوئی چھینٹا کپڑے یا جسم پر نہ گرنے پائے اس کی احتیاط فرمائیں۔آج کل لوگ اس میں بڑی بے احتیاطی کرتے ہیں، کپڑوں پر چھینٹے پڑنے کی کوئی پرواہ نہیں کرتے اور منہ وغیرہ پر جو ناپاک قے لگ جاتی ہے اُس کو بھی بلا جھجک اپنے کپڑوں سے پونچھ لیتے ہیں۔اللہ عزوجل ہمیں ہر قسم کی نجاست سے بچائے۔امین بجاہ النبی الامین ﷺ۔(۱) ناک سے خون آنا۔(۲) ایسا مادہ کہ جو شہوت کے غلبہ سے نکلتا ہے۔(۳) السنن ابو داؤد۔ باب الوضوٴ من مس الذکر ۱/ ۹۴ جامع الترمذی ۱/ ۱۴۲، النسائی ۱/ ۱۰۱۔ (۴) آگے کی شرم گاہ کو چھونا۔

مس کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا اسی طرح اس کے مس سے بھی وضو فاسد نہیں ہوتا۔ترمذی نے اس حدیث کو اَحْسَنُ شَیْءٍ رُوِیَ فِی ھٰذَا الْبَابِ (۱) فرمایا۔ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا۔ابن المدینی نے فرمایا کہ یہ حدیث بسرہ کی حدیث سے احسن ہے (بلوغ المرام)۔میں کہتا ہوں حدیث بسرہ میں جو امر ہے وہ امر وجوب کیلئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہے۔ پس اگر کوئی شخص وضو کر کے اپنے ذکر کو ہاتھ لگا دے تو اس سے وضو فاسد نہیں ہوتا۔لیکن اختلاف سے بچنے کیلئے بہتر ہے کہ پھر وضو کر لے۔

حدیث {۱۴}

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ التَّیَمُّمُ ضَرْبَۃٌ لِلْوَجْہِ وَضَرْبَۃٌ لِلذِّرَاعَیْنِ إِلیٰ الْمِرْفَقَیْنِ ۔ رَوَاہُ الْحَاکِمُ وَ صَحَّحَہٗ وَ قَالَ الدَّارُ قُطْنِیْ رِجَالُہٗ کُلُّھُمْ ثُقَاتٌ (۲)

ترجمہ:- حضرت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تیمّم دو ضربیں ہیں۔ایک ضرب منہ کے لئے ایک ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک۔

اس کو حاکم نے روایت کیا اور صحیح فرمایا۔دار قطنی نے اس کے راویوں کو ثقہ کہا۔بیہقی نے اس کی سند کو صحیح کہا۔دار قطنی نے ابن عمر سے روایت کیا

---

(۱) یعنی امام ترمذی نے کہا کہ یہ اس باب کی ایک بہترین حدیث ہے (۲) الدار قطنی ۱/۱۸۱۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

تیمّم دو ضربیں ہیں ایک چہرہ کے لئے اور ایک دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک (١) جس حدیث میں تیمّم کے لئے ایک ضرب آئی ہے امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں اس کا جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں مراد تعلیم کے لئے ضرب کی صورت ہے نہ یہ کہ اس کی ایک ہی ضرب سے تیمّم ہو جاتا ہے۔

حدیث {١۵}

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ لَيْلٰى قَالَ حَدَّثَنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ اَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ زَيْدِ نِ الْاَنْصَارِيْ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ رَاَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَانَ رَجُلًا قَامَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ اَخْضَرَانِ فَقَامَ عَلٰى حَائِطٍ فَأَذَّنَ مَثْنىٰ مَثْنىٰ وَ اَقَامَ مَثْنىٰ مَثْنىٰ ۔ رَوَاهُ ابْنِ اَبِیْ شِیْبَةٍ فِی الْمُصَنَّفِ وَ الْبَیْهَقِیْ فِی سُنَنِهٖ (٢)

ترجمہ:- حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے اصحاب نے ہمیں حدیث بیان کی کہ عبد اللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ

---

(١) سنن الدار قطنی ١/٢۵٢۔ (٢) ابن ابی شیبہ ١/١٨۵، السنن البیہقی ١/٤٢٠۔

حضور علیہ السلام کے پاس آئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے خواب میں دیکھا ہے گویا ایک شخص کھڑا ہے اور اس پر دو سبز کپڑے ہیں۔ وہ دیوار پر کھڑا ہوا۔ اس نے دو دو مرتبہ اذان دی اور دو دو مرتبہ اقامت کہی۔

اس کو ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور بیہقی نے سنن میں روایت کیا۔

جوهر النقی میں ہے کہ ابن حزم نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند نہایت صحیح ہے۔

یہ حدیث اذان میں اصل ہے۔ اس میں ترجیع (۱) نہیں۔ معلوم ہوا کہ ترجیع سنت نہیں۔ قَالَ ابْنُ الْجَوْزِیْ۔ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ جو کہ سرور عالم ﷺ کے سامنے اذان دیا کرتے تھے۔ اگر ترجیع مسنون ہوتی تو حضور علیہ السلام حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو امر فرماتے اور حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کم سے کم ایک بار تو ترجیع کے ساتھ اذان دیتے۔

ابو محذورہ رضی اللہ عنہ (۲) جس کی اذان میں ترجیع آئی ہے وہ در بارہ تعلیم

---

(۱) پہلے پست اور پھر بلند آواز سے شہادتین (یعنی اَشْھَدُ۔۔والے کلمات) دہرانا۔ (۲) حافظ ابو عمر ابن عبد البر لکھتے ہیں: حضرت ابو محذورہ قرشی رضی اللہ عنہ کے نام میں کافی اختلاف ہے، بہرحال اکثریت کی تحقیق یہ ہے کہ ان کا نام سمرہ بن سعید ہے۔ ۸ھ میں جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ حنین سے واپس ہو رہے تھے، اسی اثناء میں حضرت ابو محذورہ اپنے دس مشرک ساتھیوں کے ساتھ گزر رہے تھے، راستے میں رسول اللہ ﷺ کے مؤذن کی آواز سنی، حضرت ابو محذورہ نے اذان کی نقل اتارنا شروع کر دی، حضرت ابو محذورہ بلند آواز اور خوش الحان تھے اور بطور تمسخر اذان کی نقل اتار رہے تھے، ان کی قسمت نے یاوری کی اور سرکار ابد قرار ﷺ نے ان کی آواز سن لی ان کو بلایا ←

ہے۔ کہ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے اپنی آواز کو اتنا لمبا نہ کیا کہ جتنا حضور علیہ السلام کا ارادہ تھا۔ اس لئے فرمایا کہ

اِرْجِعْ وَ أمْدُدْ مِنْ صَوْتِكَ ۔ پھر کہہ اور آواز بلند کر۔

علاوہ اس کے خود ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے اذان بلا ترجیع آئی ہے۔ امام طحاوی نے عبدالعزیز بن رفیع سے روایت کیا ہے۔ اس نے کہا میں نے سنا ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو، وہ دو دو بار آذان اور دو دو بار اقامت کہتے تھے۔ جوہر النقی میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اور یہی مذہب ہے امام اعظم رحمہ اللہ کا۔

وہ جو بعض روایات میں آیا ہے کہ تخفض بها صوتك ثم ترفع صوتك (۱) وہ ضعیف ہے۔ اس میں حارث بن عبید ابوقدامہ راوی ہے جس کو امام احمد مضطرب الحدیث اور ابن معین ضعیف کہتے ہیں۔ نسائی نے بھی کہا ہے کہ وہ قوی نہیں۔

⬅ اور ان کے باقی ساتھیوں کو واپس کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اب آذان دو، آپ آذان کا ایک ایک کلمہ پڑھتے اور ان سے پڑھواتے۔ ابومحذورہ کہتے ہیں کہ مجھے اس وقت حضور سے زیادہ کوئی ناپسند نہ تھا۔ اور نہ ہی حضور کا حکم ماننا پسند تھا، تاہم میں نے حضور کے کہنے سے آذان دی، اذان کے بعد سرکار ﷺ نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں کچھ چاندی تھی، پھر اپنا دستِ مبارک میری پیشانی پر پھیرا، اور ناف تک لے گئے، ہاتھ کا پھیرنا کیا تھا میری قسمت پھر گئی، میرے دل میں رسول اللہ ﷺ کے خلاف جس قدر کینہ وبُغض تھا سب جاتا رہا، آپ ﷺ نے مجھے برکت کی دعا دی اور میں آپ ﷺ کا گرویدہ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ (الاستیعاب علی ہامش الاصابہ ۱۷۷/۴)

ع نگاہِ نبی ﷺ میں وہ تاثیر دیکھی بدلتی کروڑوں کی تقدیر دیکھی

(۱) ان میں اپنی آواز پست کر پھر بلند کر۔

حدیث {۱۶}

عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ کَبَّرَ ثُمَّ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِيَ إِبْھَامَیْہِ اُذُنَیْہِ ثُمَّ یَقُوْلُ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰی جَدُّكَ وَ لَا إِلٰہَ غَیْرُكَ ۔ رَوَاہُ الدَّارُقُطْنِیُ وَ قَالَ اَسْنَادُہٗ کُلُّھُمْ ثُقَاتٌ کَذَا فِی الزَّیْلَعِیْ (۱)

ترجمہ:حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب نماز کوشروع کرتے تو تکبیر کہتے پھر دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے انگھوٹھے دونوں کانوں کے برابر ہوجاتے پھر سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ آخرتک پڑھتے ۔اس کودار قطنی نے روایت کیا۔اس کے سب رواۃ ثقہ ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ کیلئے ہاتھ کانوں کے برابر اٹھانے چاہئیں ۔ایسا ہی ابوداؤد میں وائل کی حدیث میں آیا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول کریم ﷺ کو جب شروع کیا نماز کوتو دونوں ہاتھ کانوں کے برابرتک اٹھاتے ۔کہا وائل نے میں ان کے پاس آیا تو دیکھا کہ اپنے ہاتھوں کوسینوں تک اٹھاتے ہیں۔اوران پر بارانیاں اورلوئیاں تھیں۔ یعنی سردی کے سبب ہاتھوں کو باہرنہیں نکالتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ جن

---

(۱) الدار قطنی ۱/۳۰۰۔

روایتوں میں مونڈھوں کے برابر ہاتھ اٹھانا آیا ہے وہ عذر سردی سے تھا یا یہ کہ مونڈھوں کے برابر ہاتھ ہوں۔ اور دونوں انگھوٹھے کانوں کے برابر ہوں۔ چنانچہ ابوداؤد میں وائل کی حدیث میں آیا ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ یہاں تک کہ مونڈھوں کے مقابل ہو گئے اور برابر کیا دونوں ابہاموں (انگوٹھوں) کو اپنے کانوں کے۔ شرح مسند امام ص۲۴۴۔

حدیث {۱۷}

عَنْ وَائِلِ بْنِ حَجَرٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَضَعَ يَمِيْنَه‘ عَلٰى شِمَالِهٖ فِيْ الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔ اَخْرَجَهٗ ابْنُ اَبِىْ شِيْبَةَ اَلْمُصَنِف لِاِبْنِ اَبِىْ شِيْبَةَ ۱/۳۹۰، تَدْرِيْبُ الرَّاوِىْ ۱/۱۸۸ آثَارُ السُّنَنِ ۱۷

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول کریم ﷺ کو کہ آپ نے نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر ناف کے نیچے رکھا۔

اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

شیخ قاسم بن قطلو بغا حنفی نے فرمایا کہ اس کی سند جیّد ہے (شَرْحُ تِرْمِذِىْ لِاَبِىْ الطَّيِّبِ) سندھی نے اس کے رجال کو ثقہ کہا۔ محمد مدنی نے اس کی سند کو قوی فرمایا۔ اس حدیث پر دو اعتراض کئے جاتے ہیں۔

ایک یہ کہ یہ حدیث ابن ابی شیبہ میں نہیں۔ علامہ حیات سندھی نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ میں نے مصنف کا نسخہ دیکھا۔ اس میں یہ حدیث ہے لیکن تَحۡتَ السُّرَّةِ (ناف کے نیچے) کا لفظ نہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث میں علقمہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے اپنے باپ سے سماع (۱) نہیں کیا۔

پہلے اعتراض کا جواب معترض نے صرف علامہ حیات سندھی کی شہادت وہ بھی عدم وِجدان (۲) کی پیش کی۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے علامہ حیات کو یہ لفظ نہ ملا ہو۔ یا جس نسخہ میں انہوں نے دیکھا وہاں سہوِ کاتب سے رہ گیا ہو۔ ہم اس لفظ کے موجود ہونے پر دو شہادتیں پیش کرتے ہیں۔ وہ بھی اثبات پر کہ مُثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔ حافظ قاسم بن قطلو بغا تَخۡرِيۡجُ أَحَادِيۡثِ الۡإِخۡتِيَارِ شَرۡحُ الۡمُخۡتَارِ میں اس حدیث کو بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ لکھ کر فرماتے ہیں:

هٰذَا سَنَدٌ جَيِّدٌ وَ قَالَ الۡعَلَّامَةُ مُحَمَّدٌ أَبُوۡ الطَّيِّبِ الۡمَدَنِيۡ فِيۡ شَرۡحِ التِّرۡمِذِيۡ هٰذَا حَدِيۡثٌ قَوِيٌّ مِنۡ حَيۡثُ السَّنَدِ وَ قَالَ الشَّيۡخُ عَابِدُ نِالسِّنۡدِهِيۡ فِيۡ الطَّوَالِعِ الۡأَنۡوَارِ رِجَالُهٗ ثُقَاتٌ ۔ آثار السنن ص ۷۰

یہ سند جید ہے علامہ مدنی شرح ترمذی میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث

---

(۱) نہیں۔ سننا۔ (۲) نہ پایا جانا۔

مِنۡ حیث   السند قوی ہے۔ شیخ عابد سندھی طوالع الانوار میں فرماتے ہیں کہ اس کے راوی سب ثقہ ہیں۔ دیکھئے حافظ قاسم بن قطلو بغا جو کہ علامہ ابن الہمام کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں جو فن حدیث وفقہ میں متبحر (بہت بڑے عالم) تھے اس حدیث کو ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے لکھ کر اس کی سند کو جید فرماتے ہیں۔ عابد سندھی کی شہادت بھی پیش کرتے ہیں۔ پھر بھی معترضین کو انکار ہے۔

اور سنئے علامہ قاسم سندھی اپنے رسالہ فوز الکرام میں فرماتے ہیں:۔

اِنَّ الۡقَوۡلَ یَکُوۡنُ ھٰذِہِ الزِّیَادُ غَلَطًا مَعَ جَزۡمِ الشَّیۡخِ قَاسِمٍ بِعَزۡوِھَا اِلَی الۡمُصَنِّفِ وَ مُشَاھَدَتِیۡ اِیَّاھَا فِیۡ نُسۡخَۃٍ وَ الۡحَدِیۡثِ وَالۡاَثۡرِلَا یَلِیۡقُ بِالۡاِنۡصَافِ قَالَ وَ رَأَیۡتُہٗ بِعَیۡنِیۡ فِیۡ نُسۡخَۃٍ صَحِیۡحَۃٍ عَلَیۡھَا الۡاَمَارَاتُ الۡمُصَحَّحَۃُ وَ قَالَ فَھٰذِہِ الزِّیَادَۃُ فِیۡ اَکۡثَرِ نُسُخٍ صَحِیۡحَۃٌ ۔ آثار السنن ص ۷۱

کہ یہ کہنا کہ زیادت تحت السرہ غلط ہے انصاف نہیں۔ باوجود اس کے کہ شیخ قاسم نے یقینی طور پر اس کو مصنف کی طرف منسوب کیا اور میں نے بھی اس زیادت کو ایک نسخہ میں دیکھا اور شیخ عبدالقادر مفتی حدیث کے خزانہ میں جو مصنف کا نسخہ ہے اس میں بھی موجود ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک صحیح نسخہ میں جس میں علامات تھیں اس زیادت کو دیکھا۔ یہ زیادت یعنی لفظ تحت السرہ اس حدیث میں مصنف کے اکثر نسخوں میں صحیح ہے۔

علامہ ظہیر احسن نیموی اپنے رسالہ درۃ الغرہ میں لکھتے ہیں کہ مدینہ

منورہ کے قبہ محمودیہ میں جو کتب خانہ ہے اس میں مصنف کا نسخہ ہے۔ اس میں بھی لفظ تحت السرہ اس حدیث میں موجود ہے۔

اب انصاف فرمایئے کہ علامہ قاسم بن قطلوبغا نے مصنف میں اس حدیث کو بلفظ تحت السرہ دیکھا۔ پھر علامہ قاسم سندھی نے اپنے دیکھنے کی شہادت دی اور مصنف کا پتا بھی بتایا۔ پھر علامہ ظہیر احسن نیموی نے بھی دیکھا اور قُبہ محمودیہ کے کتب خانہ کا پتا بھی دیا۔ ان کی چشم دید شہادت کے بعد بھی اگر کوئی یہی کہتا جائے کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں اس حدیث میں یہ لفظ نہیں تو اس ہٹ دھرمی کا کیا علاج ہوسکتا ہے؟ علامہ حیات کا یہ کہنا کہ شاید کاتب کی نظر چوک گئی ہو اور اس نے نخعی کے اثر کا یہ لفظ حدیث مرفوع میں لکھ دیا ہو ہم کہتے ہیں کہ یہ ہوسکتا ہے اگر صرف ایک ہی نسخہ میں یہ لفظ ہو۔ جب اس لفظ کا اس حدیث میں مصنف کے اکثر نسخوں میں پایا جانا ثابت ہے تو یہ احتمال صحیح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ سب کاتبوں کا اسی حدیث میں آ کر چوک جانا مانا نہیں جاسکتا۔ ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ جس نسخہ کو علامہ حیات نے دیکھا ہو اس میں کاتب کے سہو سے یہ لفظ رہ گیا ہو۔

دوسرے اعتراض کا جواب: علقمہ نے اپنے باپ سے سنا ہے اور یہی صحیح ہے۔ علقمہ کے بھائی عبدالجبار نے اپنے باپ سے نہیں سنا وہ اپنے باپ کی موت کے بعد پیدا ہوئے۔

ترمذی ابواب الحدود ص ۱۷۵ میں لکھتے ہیں:۔

سَمِعْتُ مُحَمَّدًا یَّقُوْلُ عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ وَائِلِ بْنِ حَجَرٍ لَمْ یَسْمَعْ مِنْ اَبِیْهِ وَ لَا اَدْرَکَهٗ یُقَالُ اِنَّهٗ وُلِدَ بَعْدَ مَوْتِ اَبِیْهِ بِاَشْهُرٍ ۔

کہ میں نے امام بخاری سے سنا وہ فرماتے تھے کہ عبدالجبار بن وائل نے اپنے باپ سے نہیں سنا اور نہ ان کو پایا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ باپ کی موت کے کئی ماہ بعد پیدا ہوئے۔

پھر چند سطر آگے صاف تصریح کرتے ہیں کہ:

عَلْقَمَةُ بْنُ وَائِلِ بْنِ حَجَرٍ سَمِعَ عَنْ اَبِیْهِ وَ هُوَ اَکْبَرُ مِنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلٍ لَمْ یَسْمَعْ عَنْ اَبِیْهِ۔

یعنی علقمہ نے اپنے باپ سے سنا ہے وہ عبدالجبار سے بڑے ہیں۔ عبدالجبار نے اپنے باپ سے نہیں سنا۔

نسائی ص ۱۰۵ باب رَفْعُ الْیَدَیْنِ عِنْدَ الرَّفْعِ مِنَ الرُّکُوْعِ میں ایک حدیث ہے جس میں علقمہ کہتے ہیں۔ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ ۔اسی طرح بخاری کے جزء رفع یدین ص ۹ میں علقمہ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ کہتے ہیں۔جس سے معلوم ہوا کہ علقمہ کو اپنے باپ سے سماع حاصل ہے۔ کیونکہ تحدیث (۱) اکثر اہل حدیث کے نزدیک سماع پر دال ہے۔اسی طرح صحیح مسلم ص ۱۷۳، ج اول اور ص ۶۱ میں علقمہ اپنے باپ سے تحدیث کرتے ہیں۔اگر حدیث علقمہ کی اپنے

---

(۱) حدیث بیان کرنا۔

باپ سے مرسل ہوتی تو مسلم اس کو صحیح میں روایت نہ کرتے۔

شیخ عبدالحی لکھنوی القول الجازم ص ۱۸ میں بحوالہ انساب سمعانی لکھتے ہیں:۔

اَبُوْ مُحَمَّدٍ عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلِ بْنِ حَجَرِ نِ الْكِنْدِىْ يَرْوِىْ عَنْ اُمِّهٖ عَنْ اَبِيْهِ وَهُوَ اَخُوْ عَلْقَمَةَ وَ مَنْ زَعَمَ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَاهٗ فَقَدْ وَهَمَ لِاَنَّ وَائِلَ بْنَ حَجَرٍ مَاتَ وَ اُمُّهٗ حَامِلٌ بِهٖ وَ وَضَعَتْهُ بَعْدَهٗ بِسِتَّةِ اَشْهُرٍ اِنْتَهٰى۔

یعنی عبدالجبار بن وائل اپنی ماں سے روایت کرتے ہیں۔ وہ اس کے باپ سے اور وہ علقمہ کے بھائی ہیں۔ جس نے یہ گمان کیا کہ عبدالجبار نے اپنے باپ سے سنا ہے اس نے وہم کیا۔ کیونکہ وائل بن حجر فوت ہوئے تو عبدالجبار ماں کے پیٹ میں تھے۔

وہ والد کی وفات کے چھ ماہ بعد پیدا ہوئے۔

اور بحوالہ الغابہ لکھا ہے: قِيْلَ اِنَّ عَبْدَ الْجَبَّارِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ اَبِيْهِ کہ عبدالجبار نے اپنے باپ سے نہیں سنا۔ کہا ابن عبدالبر نے استیعاب میں وائل کے ترجمہ میں رَوَى عَنْهُ كَلِيْبُ بْن شَهَابٍ وَ اِبْنَاهُ عَبْدُ الْجَبَّارِ وَ عَلْقَمَةُ وَلَمْ يَسْمَعْ عَبْدُ الْجَبَّارِ مِنْ اَبِيْهِ فِيْمَا يَقُوْلُوْنَ بَيْنَهُمَا عَلْقَمَةُ بْنُ وَائِلٍ اِنْتَهٰى۔

یعنی وائل سے کُلَیب بِنْ شِہَابْ نے اور وائل کے دونوں فرزندوں

نے روایت کیا ہے ۔عبدالجبار نے اپنے باپ سے نہیں سنا ۔ان دونوں کے درمیان علقمہ بن وائل (واسطہ) ہیں ۔معلوم ہوا کہ جس نے اپنے باپ سے نہیں سنا وہ عبدالجبار ہے۔علقمہ نے اپنے باپ سے سنا ہے۔ابن حجر نے بیشک تقریب میں لکھا ہے کہ علقمہ نے اپنے باپ سے نہیں سنا لیکن ہم ابن حجر سے ہی دکھاتے ہیں کہ انہوں نے تلخیص الحبیر کے ص ۹۷ میں اور ص ۱۰۴ میں لکھا ہے اَنَّ عَبۡدَ الۡجَبَّارِ لَمۡ یَسۡمَعۡ مِنۡ اَبِیۡہِ کہ عبدالجبار نے اپنے باپ سے نہیں سنا۔

بلوغ المرام کے صفۃ الصلوٰۃ کے باب میں حدیث وائل ہے جس میں حضور علیہ السلام کے دائیں بائیں سلام پھیرنے کا ذکر ہے ۔اخیر میں لکھتے ہیں رَوَاہُ اَبُوۡ دَاوٗدَ بِاَسۡنَادٍ صَحِیۡحٍ ۔اس سند میں علقمہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں ۔اگر ابن حجر کے نزدیک علقمہ نے اپنے باپ سے نہ سنا ہوتا تو اس حدیث کو ابن حجر صحیح نہ کہتے ۔معلوم ہوا کہ ابن حجر کے نزدیک صحیح اور مختار یہی ہے کہ علقمہ نے اپنے باپ سے سنا ہے۔

اب ہم نہیں سمجھتے کہ غیر مقلدین کے پاس اس حدیث پر عمل نہ کرنے کی کونسی وجہ وجیہ (۱) ہے۔اگر وہ عمل نہیں کرتے تو نہ کریں ۔مگر حضراتِ احناف کو تو اس پر عمل نہ کرنے کی ترغیب نہ دیں۔

ابوداؤد میں حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

---

(۱) پختہ،موزوں دلیل۔

اَلسُّنَّۃُ وَضۡعُ الۡکَفِّ تَحۡتَ السُّرَّۃِ

ترجمہ: کہ ہتھیلی کا ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔

اس حدیث کو ابوداؤد، ابن ابی شیبہ، احمد، دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔(۱)

اصول حدیث میں یہ مسئلہ مُسلَّم ہے کہ صحابی جب کسی امر کو سنت کہے تو اس سے سنت نبوی مراد ہوتی ہے۔ ابوداؤد نے اس حدیث پر سکوت کیا۔ اور جس حدیث پر ابوداؤد سکوت کریں وہ ان کے نزدیک قابل حجت ہوتی ہے۔

امام نووی اذکار ص ۸ میں لکھتے ہیں:

مَا رَوَاہُ اَبُوۡ دَاوٗدَ فِیۡ سُنَنِہٖ وَ لَمۡ یَذۡکُرۡ ضُعۡفَہٗ فَھُوَ عِنۡدَہٗ صَحِیۡحٌ او حَسَنٌ وَ کِلَاھُمَا یُحۡتَجُّ بِہٖ فِیۡ الۡاَحۡکَامِ۔

یعنی ابوداؤد جس حدیث کو اپنے سنن میں روایت کریں اور اس کا ضعف بیان نہ کریں وہ ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہوتی ہے۔ اور احکام میں یہ دونوں قابل حجت ہیں۔

اس حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن اسحٰق پر جتنی جروح (۲) ہیں سب مبہم اور غیر مفسر ہیں (۳)۔ اصول حدیث میں یہ امر مُسلَّم ہے کہ جرح مبہم

---

(۱) السنن ابو داود ۱/۲۰۱، المصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۴۳، المسند لامام احمد ۱/۱۱۰، الدارقطنی ۱/۲۸۶، البیهقی ۲/۳۱۔ (۲) جرح کی جمع ہے مراد یہ ہے کہ طعن کرنے والا کسی راوی کے بارے میں کہے کہ فلاں اکذب الناس ہے یا کہے کہ فلاں روایت کرنے میں محتاط نہیں یا فلاں کی یاداشت کمزور ہے وغیرہ۔ (۳) ایسی جرح کہ جسمیں جرح کا سبب بیان نہ کیا جائے۔

مقبول نہیں۔ دیکھو نووی شرح مسلم ص ۸ والرفع والتکمیل ص ۸ ۔

حدیث وائل بن حجر جس میں ہاتھوں کا باندھنا آیا ہے ابن خزیمہ کے حوالہ سے بعض محدثین نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ کسی معتبر کتاب میں مجھے اس کی سند نہیں ملی۔ حافظ ابن قیم اعلام الموقعین کے ص ٦ ج ۲ میں اس حدیث کا ذکر کر کے فرماتے ہیں لَمْ يَقُلْ عَلٰى صَدْرِهٖ غَيْرُ مُؤَمَّلِ بْنِ اِسْمَاعِيْلَ۔ کہ مؤمل بن اسماعیل کے سوا اس حدیث میں عَلٰى صَدْرِهٖ کسی نے نہیں کہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن خزیمہ کی سند میں بھی مؤمل بن اسماعیل ضرور ہے اور وہ ضعیف ہے۔ ابوحاتم نے اس کو کثیر الخطا کہا، امام بخاری نے منکر الحدیث۔ ابوزرعہ کہتے ہیں کہ اس کی حدیث میں خطا بہت ہے (میزان) علامہ مزی نے تہذیب الکمال میں، حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے:

قَالَ غَيْرُهٗ دُفِنَ كُتُبُهٗ وَ كَانَ يُحَدِّثُ مِنْ حِفْظِهٖ فَكَثُرَ خَطَائُهٗ کہ اس کی کتابیں دفن کی گئیں۔ وہ اپنے حفظ سے حدیث بیان کرتے تھے اس لئے ان سے بہت خطا واقع ہوئی۔ (۱)

تہذیب التہذیب میں سلیمان بن حرب کا قول نقل کیا ہے:

وَ قَدْ يَجِبُ عَلَى اَهْلِ الْعِلْمِ اَن يَّقِفُوْا عَنْ حَدِيْثِهٖ فَاِنَّهٗ يَرْوِیْ الْمَنَاكِيْرَ عَنْ شُيُوْخِهٖ وَ هٰذَا اَشَدُّ فَلَوْ كَانَتْ هٰذِهِ الْمَنَاكِيْرُ عَنِ الضُّعَفَاءِ لِكُنَّا نَجْعَلُ لَهٗ عُذْرًا۔ (۲)

---

(۱) تہذیب التہذیب ۸/ ۴۳۶۔ (۲) تہذیب التہذیب ۸/ ۴۳۷۔

یعنی اہل علم پر واجب ہے کہ اس کی حدیث سے بچتے رہیں کیونکہ یہ شخص ثقات سے منکرات روایت کرتا ہے اور یہ بہت برا ہے۔ اگر ضعفاء سے مناکیر روایات کرتا تو اس کو معذور سمجھتے۔ (اور ضعفاء پر منکرات محمول کرتے)۔

حافظ ابن حجر فتح الباری جز۲ ص۹۶ میں فرماتے ہیں:

وَ كَذٰلِكَ مُؤَمَّلُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ فِيْ حَدِيْثِهٖ عَنِ الثَّوْرِیِّ ضُعَفٌ کہ مؤمل بن اسماعیل جو ثوری سے روایت کرے اس میں ضعف ہے۔ اور یہ حدیث اس نے ثوری سے ہی روایت کی ہے۔ چنانچہ بیہقی نے سنن کبریٰ میں اس حدیث کو بروایت مؤمل بن اسماعیل عن الثوری اخراج کیا ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ حدیث وائل بن حجر جو کہ ابن خزیمہ نے روایت کی ہے صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح حدیث قبیصہ بن ہلب جس کو امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے صحیح نہیں۔ اس میں سماک بن حرب ہے جس کو شعبہ وابن مبارک وغیرہما نے ضعیف کہا (اکمال) ابن مبارک نے سفیان سے نقل کیا کہ ضعیف ہے۔ امام احمد اس کو مضطرب الحدیث کہتے ہیں۔ صالح جزرہ ضعیف کہتا ہے۔ نسائی کہتے ہیں کہ جب وہ منفرد ہو حجت نہیں (میزان) تو ثابت ہوا کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث صحیح نہیں۔ وَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ ۔

حدیث {۱۸}

عَنْ حُمَيْدِ الطَّوِيْلِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلٰوةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِيْ كِتَابِهٖ الْمُفْرَدِ فِيْ الدُّعَاءِ وَ اَسْنَادُهٗ جَيِّدَةٌ آثَارَ السُّنَنْ(۱)

ترجمہ:۔حضرت سیدنا اَنَس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب نماز شروع کرتے تو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ اِلٰى آخِرِهٖ پڑھتے۔اس کو طبرانی نے روایت کیا۔

ترمذی (۲) میں حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی ایسا ہی آیا ہے۔امام ترمذی لکھتے ہیں کہ اکثر اہل علم تابعین وغیرہم کا اسی پر عمل ہے ۔حضرت سیدنا عمر وعبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ طحاوی میں حضرت سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح آیا ہے۔صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بغرض تعلیم سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ بالجہر پڑھتے (۳)۔جن روایتوں میں بجز سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ کے دوسری دعائیں آئی ہیں وہ ہمارے نزدیک محمول بر تہجد ہیں ۔

---

(۱) نصب الرایۃ ۳۲۱/۱ (۲) جامع الترمذی ۱۱/۲۔ (۳) الصحیح لمسلم ۲۹۹/۱

چنانچہ صحیح ابو عوانہ و نسائی میں اس کی تصریح بھی آئی ہے۔ یا محمول بر ابتداء امر (۱)۔ جیسا کہ شرح منیہ میں ابن امیر حاج نے فرمایا ہے۔

حدیث {۱۹}

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ وَأَبَابَكْرٍ وَ عُمَرَ كَانُوْا يَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ (۲)

ترجمہ:۔حضرت سیدنا اَنَس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اور حضرت سیدنا ابوبکر صدیق وسیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے ساتھ شروع کرتے تھے۔

اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ بالجہر نہیں پڑھتے تھے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی دوسری روایت (۳) میں اس کی تشریح ہے۔کہا اَنَس رضی اللہ عنہ نے فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِّنْهُمْ يَقْرَءُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ یعنی میں نے کسی کو نہیں سنا کہ وہ بِسْمِ اللّٰهِ پڑھتا ہو۔پھر دوسری حدیث میں اس کی صاف تصریح ہے۔جس کو نسائی (۴) نے روایت کیا۔فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِّنْهُمْ يَجْهَرُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہ میں نے ان میں سے کسی

---

(۱) یعنی صاحب شان کام کی ابتداء بسم اللہ سے کرنا (۲) صحیح البخاری، کتاب الآذان ۱/۱۰۳، الصحیح لمسلم ۱/۱۷۲ (۳) ایضًا ۱/۱۷۲۔ (۴) النسائی ۱/۱۰۵۔

کونہیں سنا کہ بِسۡمِ اللّٰہِ جہر سے پڑھتے ہوں ۔تو معلوم ہوا کہ بِسۡمِ اللّٰہِ پڑھنے کی نفی نہیں۔ بلکہ اونچی پڑھنے کی نفی ہے۔

حدیث {۲۰}

عَنۡ اَبِیۡ مُوۡسیٰ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَی الصَّلوٰۃِ فَلۡیَؤُمَّکُمۡ أحَدُکُمۡ وَاِذَا قَرَأَ الۡاِمَامُ فَاَنۡصِتُوۡا۔

رواہ أحمد و مسلم (۱)

ترجمہ:۔حضرت سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم و رؤف رحیم ﷺ نے ہمیں سکھایا کہ جب تم نماز کے لئے اٹھوتو چاہیئے کہ تم میں سے ایک تمہاراامام بنے اور جب امام پڑھےتو تم چپ رہو۔

اس کوامام احمدو مسلم نے روایت کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قراءت امام کا حق ہے اور مقتدی کو خاموش رہنے کاحکم ہے۔ یہ حدیث قرآن کریم کی تفسیر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:اِذَا قُرِئَ الۡقُرۡآنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَہٗ وَاَنۡصِتُوۡا لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ٥

ترجمۂ کنزالایمان: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔(الاعراف ۹/ ۲۰۴)

---

(۱)الصحیح لمسلم، ۱/۱۷۴ اَلدِّرَایَۃُ فِیۡ تَخۡرِیۡجِ اَحَادِیۡثِ الۡھِدَایَۃِ ۱/۱۶۴، مُسۡنَدُ اَبِیۡ عَوَانَہ ۲/۱۳۳۔

اس آیت سے یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ پڑھنے والا کون ہو۔ حدیث مذکور نے یہ بیان کردیا کہ وہ پڑھنے والا امام ہے۔ جب امام قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو۔ معلوم ہوا کہ مقتدی فاتحہ خلف الامام نہ پڑھے(۱)۔ یہی صحیح ہے۔ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا۔ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا۔

ترجمہ: امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو۔ جب وہ پڑھے تو تم چپ رہو۔(۲)

اس کو ابوداؤد ابن ماجہ نسائی وغیرہم نے روایت کیا۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ اس کو مسلم نے بھی صحیح کہا ہے۔

حدیث {۲۱}

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ كَانَ لَه اِمَامٌ فَقِرَأَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَأَةٌ۔ رَوَاهُ الْحَافِظُ اَحْمَدُ بْنُ مُنِيْعٍ فِیْ مُسْنَدِهٖ وَ مُحَمَّدٌ فِی الْمُؤَطَّا وَ الطَّحَاوِیْ وَ الدَّارُقُطْنِیْ (۳)

ترجمہ:- حضرت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) یعنی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔(۲) النسائی ۱/ ۱۲ ۱ أ ۔(۳) المؤطا لامام محمد ۸۹ ، المسند لامام اعظم ۶۱۔

نے فرمایا جس شخص کے لئے امام ہوتو امام کا پڑھنا اسی کا پڑھنا ہے۔

یعنی امام کی قراءت مقتدی ہی کی قراءت ہے۔ مقتدی کو خود قرآن میں سے کچھ نہ پڑھنا چاہیئے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

حدیث لاصلوٰۃ جس کو بخاری و مسلم (۱) نے روایت کیا وہ امام اور منفرد کیلیئے ہے اس حدیث کی ایک روایت میں فَصَاعِدًا بھی آیا ہے یعنی اَلْحَمْدُ اور کچھ زیادہ کے سوا نماز نہیں۔ تو اگر یہ حدیث مقتدی کو بھی عام ہوتو لازم آتا ہے۔ کہ علاوہ فاتحہ کے مقتدی پر سورۃ بھی واجب ہو اور اس کا کوئی قائل نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ حدیث امام اور منفرد کے لئے ہے۔ ابوداؤد میں سفیان جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں لِمَنْ یُّصَلِّی وَحْدَہٗ کہ یہ حدیث اس شخص کے لئے ہے جو اکیلا نماز پڑھے یعنی مقتدی کے لئے نہیں۔

حدیث عبادہ جس میں نماز فجر کا قصہ ہے وہ ضعیف ہے۔ کسی روایت میں مکحول ہے جو مدلِّس (۲) ہے۔ اور معنعن (۳) روایت کرتا ہے۔ مدلس کی معنعن قابل حجت نہیں۔ اگر کسی روایت میں اپنے شیخ سے تحدیث بھی کرتا ہے تو شیخ الشیخ سے بلفظ عن روایت کرتا ہے اور اصول حدیث میں لکھا ہے کہ مدلس

---

(۱) صحیح البخاری ۱/۲۶۴، الصحیح لمسلم ۱/۲۹۵ (۲) مدلِّس تدلیس کا اسم فاعل ہے اور تدلیس کا لغوی معنی ہے گاہک سے سودے کے عیب کو چھپانا اور اصطلاح میں ''سند میں کسی عیب کو چھپانا اور اس کے ظاہر کی تحسین (تعریف) کرنا''، ملخص از تقریب النواوی مع التدریب ۱/۲۳۰۔

(۳) یہ عنعنہ سے مشتق ہے اور اصطلاح میں وہ حدیث ہے جس میں راوی عن فلاں عن فلاں کہے۔

کبھی شیخ الشیخ کو بھی ساقط کرتا ہے۔اس لئے حجت نہیں اور کسی روایت میں نافع بن محمود ہے جو مستور الحال (۱) ہے۔کسی روایت میں مکحول عن عبادہ ہے جو مرسل (۲) ہے۔الغرض کوئی روایت صحیح نہیں۔اس مسئلہ کی اگر زیادہ تفصیل دیکھنا ہوتو کِتَابُ الدَّلِيلِ الْمُبِينِ فِی تَرْكِ الْقِرَأَةِ لِلْمُقْتَدِيِينَ مؤلفہ جناب محمد حسن فیض پوری میں دیکھئے۔جو مؤلف کے صاحبزادے سے مل سکتی ہے۔

حدیث {۲۲}

بلند آواز سے آمین کہنا

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّآلِيْنَ فَقُوْلُوْا آمِيْن فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلَ الْمَلٰئِكَةِ غُفِرَ لَه' مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِیْ (۳)

(۱) وہ راوی جسکا نام لیکر دو یا دو سے زائد روایوں نے روایت کی ہو لیکن اسکی عدالت ظاہراً اور باطناً نامعلوم ہو اسکی روایت قبول نہیں کی جاتی (۲) لغت میں ارسل کے معنی ہیں کسی چیز کو بغیر قید کے بیان کرنا اصطلاح میں اس سے مراد وہ حدیث ہے کہ جسکی سند کے آخر میں تابعی کے بعد راوی (صحابی) کے نام کو حذف کر دیا جائے وہ مرسل ہے۔اسکی صورت یہ ہے کہ تابعی کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یا یہ کام کیا، یا آپ ﷺ کے سامنے یہ کام کیا گیا، شرح نخبۃ الفکر، ۵۱۔

(۳)صحیح البخاری کتاب التفسیر ۱۶۲۳/۴۔

ترجمہ:- حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم، رؤف رّحیم ﷺ نے فرمایا جب امام غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ کہے تو تم آمین کہو۔ کیونکہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ موافق ہوگئی اس کے پچھلے گناہ معاف ہوگئے۔

اس کو بخاری نے روایت کیا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آمین اخفا(۱) کے ساتھ کہنی چاہیئے۔ کیونکہ اگر وہ جہر(۲) ہوتی تو آپ ﷺ نہ فرماتے جب امام ''وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ'' کہے تم آمین کہو بلکہ یوں فرماتے کہ جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور محدثین نے ''اِذَا اَمَّنَ'' کے معنی ''اِذَا اَرَادَ التَّأمِیۡنَ'' کیئے ہیں۔ یعنی جب امام آمین کہنے کا ارادہ کرے تو تم آمین کہو۔ اور وہ ارادہ ''وَلَا الضَّآلِّیۡنَ'' ختم کرنا ہے۔ جمہور نے یہ معنی جمع بین الحدیثین (۳) کیلئے کیئے ہیں۔ تو جب اس حدیث کے معنی إذا أراد التامین ہوئے تو اس سے جہر آمین ثابت نہیں ہوتا۔

علاوہ اسکے ایک دوسری حدیث میں جس کو امام احمد نسائی دارمی (۴) نے روایت کیا ہے آیا ہے فَاِنَّ الۡاِمَامَ یَقُوۡلُ آمِیۡنَ کہ امام بھی آمین کہتا ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ آمین بالجہر نہ تھی۔ اگر جہر ہوتی تو امام کے فعل کے اظہار کی ضرورت نہ پڑتی۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مقتدی فاتحہ نہ پڑھے۔ کیونکہ

---

(۱) پست آواز۔ (۲) اُونچی آواز۔ (۳) دو حدیثوں کا جمع کرنا۔ (۴) النسائی ۲/۱۴۳۔

اگر مقتدی پر فاتحہ لازم ہوتا تو آپ ﷺ فرماتے جب تم ''غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ '' پڑھو تو آمین کہو۔ بلکہ یوں فرمایا کہ جب امام وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تو تم آمین کہو۔ معلوم ہوا کہ فاتحہ کا پڑھنا امام پر ہی لازم تھا۔ دوسری حدیث میں اور بھی تصریح فرمادی کہ اِذَا اَمَّنَ الْقَارِئُ فَاَمِّنُوْا۔ جب قراءت پڑھنے والا آمین کا ارادہ کرے تو تم بھی آمین کہو۔ پس اگر مقتدی بھی قاری ہوتا تو آپ ﷺ صرف امام کو قاری نہ فرماتے۔

حدیث {۲۳}

بلند آواز سے آمین کہنا

عَنْ وَائِلِ بْنِ حَجَرٍ اَنَّهٗ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا بَلَغَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ قَالَ اٰمِیْن اَخْفٰی بِهَا صَوْتَهٗ۔

رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَ الطَّبْرَانِیُّ وَ الدَّارُقُطْنِیُّ وَ اَبُوْ یَعْلٰی وَ اَحْمَدُ (۱)

ترجمہ: -حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ حضور ﷺ جب ''غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْن '' کو پہنچے تو آپ ﷺ نے پوشیدہ آواز سے آمین کہی۔

اس حدیث کو حاکم، طبرانی، دار قطنی، ابو یعلی اور امام احمد نے روایت کیا۔ یہ حدیث آمین کے اخفا میں نص ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔

(۱) جامع الترمذی ۶۳، نصب الرایۃ ۱/۳۶۹۔

حدیثِ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ اس کی تائید کرتی ہے کہ جب وہ نماز پڑھاتے تو دو بار خاموش ہوتے۔ایک بار جب نماز شروع کرتے دوسری بار جب ''وَ لَا الضَّآلِّیْن '' کہتے۔لوگوں نے اس پر انکار کیا تو انہوں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو لکھا۔حضرت سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ سمرہ رضی اللہ عنہ جیسا کرتے ہیں ٹھیک ہے۔اس حدیث کو دار قطنی واحمد نے بسند صحیح روایت کیا۔ابوداؤد کی روایت میں سمرہ بن جندب نے ان دونوں سکتوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ظاہر ہے کہ پہلا سکتہ ثناء کے لئے تھا۔معلوم ہوا کہ آمین پوشیدہ تھی۔اس حدیث کی سند آثار السنن میں صالح لکھی ہے۔

امام طحاوی ابو وائل سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا عمر و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بسم اللہ شریف اور اعوذ اور آمین میں جہر نہیں کرتے تھے۔ طبرانی کبیر میں ابووائل سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا علی وعبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم بسم اللہ اور اعوذ اور آمین بلند آواز سے نہیں کہتے تھے۔ جوہر النقی میں بحوالہ ابن جریر طبری ابووائل سے روایت ہے کہ حضرت سیدنا عمر و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بسم اللہ اور آمین اونچی نہیں کہتے تھے۔

حدیث وائل بن حجر پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں شعبہ نے تین خطائیں کیں۔اول یہ کہ اس نے حجر ابی العنبس کہا ہے حالانکہ وہ حجر بن عنبس ہے۔جس کی کنیت ابوالسکن ہے۔دوسرا یہ کہ شعبہ نے اس حدیث میں علقمہ بن وائل کو زیادہ کیا ہے۔حالانکہ حجر بن عنبس عن وائل بن حجر صحیح ہے۔تیسرا یہ کہ

اس نے خَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ کہا ہے حالانکہ مَدَّ بِهَا صَوْتَهُ ہے۔اور یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ علقمہ نے اپنے باپ سے نہیں سنا۔ بلکہ وہ اپنے باپ کی موت کے چھ مہینے بعد پیدا ہوئے۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حجر بن عنبس کی کنیت ابوالعنبس بھی ہے۔اور ابوالسکن بھی۔ایک شخص کی دو کنیتیں ہونا بعید نہیں ہے۔ابن حبان کتاب الثقات میں فرماتے ہیں۔

حَجَرُ بْنُ عَنْبَسٍ اَبُو السَّكَنُ الْكُوفِيُ وَ هُوَ الَّذِيْ يُقَالُ لَهُ حَجَرٌ اَبُو الْعَنْبَسِ يَرْوِيْ مِنْ عَلِيٍّ وَ وَائِلِ بْنِ حَجَرٍ رَوَى عَنْهُ سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ اِنْتَهٰى۔ آثار السنن ص ۹۶۔

حجر بن عنبس ابوالسکن کوفی وہ ہیں جنہیں ابوالعنبس بھی کہا جاتا ہے۔ ابوداؤد نے آمین کے باب میں ثوری سے بھی حجر بن عنبس کی کنیت ابوالعنبس نقل کی ہے۔بیہقی نے سنن میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔دارقطنی نے تو وکیع اور محاربی سے یہی نقل کیا ہے کہ انہوں نے ثوری سے اس کی کنیت ابوالعنبس روایت کی۔کشف الاستار عن رجال معانی الآثار میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ حجر بن عنبس کی کنیت ابوالعنبس بھی ہے۔اس میں شعبہ کی خطا نہیں ہے۔نہ شعبہ اس میں منفرد ہیں۔ بلکہ محمد بن کثیر اور وکیع اور محاربی بھی یہی نقل کرتے ہیں۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بعض روایات میں تصریح یہ ہے

کہ حجر بن عنبس نے علقمہ سے بھی سنا ہے اور خود وائل سے بھی اس حدیث کو سنا ہے۔ چنانچہ امام احمد نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے۔

عَنْ حَجَرٍ اَبِی الْعَنْبَسِ قَالَ سَمِعْتُ عَلْقَمَةَ بْنَ وَائِلٍ يُحَدِّثُ عَنْ وَائِلٍ وَ سَمِعْتُ مِنْ وَائِلٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ (۱)

ابوداؤد طیالسی نے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے۔ ابومسلم کجی نے بھی اپنی سنن میں ایسا ہی روایت کیا ہے (آثار السنن) تو معلوم ہوا کہ شعبہ نے اس میں بھی خطا نہیں کی۔ کیونکہ حجر نے یہ حدیث علقمہ سے بھی سنی اس لئے اس نے علقمہ کا ذکر کیا۔ اور وائل سے بھی سنی۔ اس لئے کسی وقت علقمہ کا ذکر نہیں کیا۔ اور حدیث ۱۷ میں ہم مفصل ذکر کر آئے ہیں کہ علقمہ نے اپنے باپ سے سنا ہے فلا نعیدہ۔

رہی یہ بات کہ سفیان مَدَّ بِهَا صَوْتَهٗ کہتے ہیں اور شعبہ خَفَضَ بِهَا تو کس کی روایت کو ترجیح ہوگی۔ میں کہتا ہوں کہ شعبہ کی روایت کو ترجیح ہے۔ اس لئے کہ شعبہ تدلیس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے بلکہ فرماتے تھے کہ میں آسمان سے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں تو اس سے بہتر ہے کہ میں تدلیس کروں

(۱) ترجمہ: حجر بن عنبس سے روایت ہے، کہتے ہیں میں نے علقمہ بن وائل کو وائل سے حدیث بیان کرتے ہوئے سُنا اور میں نے وائل سے (بھی) سُنا کہ وہ کہتے ہیں ہمیں رسول کریم ﷺ نے نماز پڑھائی۔

(تذکرۃ الحفاظ) اور سفیان ضعفاء (۱) سے بھی تدلیس کیا کرتے تھے۔ تو شعبہ کی روایت میں تدلیس کا شبہ نہیں اس لئے اس کو ترجیح ہوگی۔ اور سفیان کی روایت میں تدلیس کا شبہ ہے۔ دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ آمین دعا ہے اور اصل دعا میں اخفا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً۔ (الاعراف ۸/۵۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔

اور اکثر صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم آمین خفیہ کہتے تھے۔ جیسا کہ جوہر التقی ص ۱۳۲ میں ہے اس لئے شعبہ کی روایت راجح ہوگی۔

نیز حدیث مَدَّ بِهَا صَوْتَهٗ کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ آپ آمین کو بہ لغت مد پڑھتے تھے نہ قصر۔ علاوہ اس کے آمین کی ایک حد بھی حدیث میں آئی ہے وہ حَتّٰى سَمِعَ مَنْ يَلِيهِ مِنَ الصَّفِّ الْاَوَّلِ ہے۔ کہ صف اول کے وہ لوگ جن کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کے لئے آواز دراز فرمائی۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدیوں کا آمین بالجہر ہرگز ثابت نہیں۔ تو آج کل مدعیان عمل بالحدیث کا امام کے پیچھے زور سے آمین کہنا محض بے دلیل ہے۔

---

(۱) ضعیف کی جمع ہے۔ اس کے معنی کمزور کے ہیں، یہاں مرادفنِ اصول حدیث میں ضعیف راوی ہیں۔

حدیث {۲۴}

رفع یدین

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ مَالِیْ اَرَاكُمْ رَافِعِیْ اَیْدِیْكُمْ كَأَنَّهَا اَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ اُسْكُنُوْا فِی الصَّلٰوةِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ (۱)

ترجمہ:- حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا انہوں نے نکلے ہم پر رسول کریم ﷺ اور فرمایا کیا ہے مجھے کہ میں تمہیں رفع یدین کرتا ہوا دیکھتا ہوں گویا کہ سرکش گھوڑوں کی دم ہیں۔ نماز میں آرام کیا کرو۔

اس کو مسلم نے روایت کیا۔ اس حدیث میں ظاہر ہے کہ حضور ﷺ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو نماز میں رفع یدین (۲) کرتے ہوئے دیکھا اور منع فرمایا۔ جس سے ثابت ہوا کہ رفع یدین سنت نہیں بلکہ منسوخ (۳) ہے۔ یہ جو بعض کہتے ہیں کہ اس حدیث میں بوقت سلام رفع یدین کرنے کی ممانعت ہے صحیح نہیں ۔ وہ حدیث جس میں بوقت سلام اشارہ کرنے کی ممانعت ہے دوسری ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں فرق ہے۔ اس حدیث میں رفع یدین کا ذکر ہے

---

(۱) الصحیح لمسلم ۱/۱۸۱، ابوداؤد ۱/۱۴۳۔ (۲) دونوں ہاتھوں کا اٹھانا۔

(۳) جب شریعت کوئی نیا حکم دے اور وہ پچھلے حکم کو ختم کردے تو اس نئے حکم کو ناسخ اور پچھلے ختم ہونے والے حکم کو منسوخ کہتے ہیں۔ لہذا اس حدیث نے رفع یدین والی حدیث کے حکم کو منسوخ کردیا۔

دوسری میں رفع یدین کا ذکرنہیں ۔بلکہ اِیۡمَاءٌ بِالۡیَدَیۡنِ کا ذکر ہے ۔کسی روایت میں تؤمون ہے کسی میں تشیرون ۔نیز اس حدیث میں اُسۡکُنُوۡا فِی الصَّلٰوۃِ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رفع یدین نماز میں تھا جس کی ممانعت ہوئی اور سکون کا حکم فرمایا۔دوسری حدیث میں یہ لفظ ہی نہیں کیونکہ سلام نماز کا م نمروف نہیں (ا) ۔تو اشارہ بالیدین بوقت سلام بھی م نمروف نماز نہیں ۔اوراس حدیث میں حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا ذکرنہیں اور دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔معلوم ہوا کہ یہ دونوں حدیثیں الگ الگ ہیں ۔ یہ حدیث رفع یدین کی ممانعت میں ہے۔ دوسری بوقت سلام اشارہ بالیدین کی ممانعت میں ۔ان دونوں حدیثوں کو ایک سمجھنا باوجود اس اختلاف کے جو ہم نے ذکر کیا ہے خوش فہمی ہے۔

اعتراض:

عیدین اور وتروں کے لئے کچھ ایسی خصوصیات ہیں جو کہ دوسری نمازوں میں نہیں ۔مثلاً عیدین کے لئے شہر کا شرط ہونا۔اور شہر سے باہر نکل کر عید پڑھنا خطبہ نماز عید کے بعد پڑھنا۔ وتر کا طاق ہونا۔ دعا قنوت پڑھنا۔تو اسی طرح رفع یدین جو عیدین یا وتروں میں کیا جاتا ہے ۔ وہ بھی ان دونوں نمازوں کی خصوصیات سے ہے۔

علاوہ اس کے جس نماز کو حضور ﷺ نے دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو رفع یدین

(ا)

سے منع فرمایا وہ نماز عید نہ تھی اگر عید ہوتی تو حضور ﷺ خود امام ہوتے اور نماز وتر بھی نہ تھی۔ کیونکہ وتروں میں جماعت اور ان کا مسجد میں ادا کرنا آپ ﷺ کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادات مستمرہ (۱) سے نہ تھا۔ بلکہ گھروں میں اکیلے اکیلے پڑھنے کی عادت تھی۔ تو معلوم ہوا کہ وہ بھی رَفْعُ یَدَیْنِ عِنْدَ الرُّکُوْعِ والرَّفْعِ عَنْہُ (۲) تھا جو حضور کے اس فرمان مبارک کے بعد منسوخ ہوا۔

حدیث {۲۵}

عَنْ عَلْقَمَۃَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ اَلَا أُصَلِّيْ بِکُمْ صَلوٰۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَصَلّٰی وَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ إِلَّا مَرَّۃً۔ اَبُوْ دَاوٗدَ (۳)

ترجمہ:- حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ پھر نماز پڑھی اور ایک بار (تحریمہ) کے سوا ہاتھ نہ اٹھائے۔

اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی و نسائی نے روایت کیا۔ ترمذی نے اس کو حسن کہا اور فرمایا کہ اس حدیث پر بہت صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کا عمل ہے۔ اور سفیان ثوری علیہ الرحمۃ اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں۔ ابن حزم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ بعض محدثین نے عاصم بن کلیب پر

(۱) ایسی عادات کہ جو ہمیشہ سے ہوں۔ (۲) رکوع میں جاتے وقت اور اُٹھتے ہوئے دونوں ہاتھوں کا اُٹھانا۔ (۳) ابوداؤد ۱/۱۰۹، جامع الترمذی ۲/۴۰، النسائی ۱/۱۹۵۔

کچھ کلام کیا ہے۔لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ ثقہ ہے۔نسائی اور یحیٰ بن معین نے ان کو ثقہ کہا۔مسلم نے صحیح میں اس کی روایت کی ۔ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا۔ ابوحاتم نے اس کو صالح کہا وَالْبِسَطُ فِیْ تَرْوِیْحِ الْعَیْنَیْنِ لِلْعَلاَّمَةِ الْفَیْضِ فُوْدِیْ امام طحاوی حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح روایت کرتے ہیں کہ بجز تکبیر تحریمہ کے وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔اسی طرح حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح امام طحاوی وابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ وہ پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ پھر نہیں کرتے تھے۔اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

الحاصل خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم سے بھی رفع یدین بسند صحیح ثابت نہیں ۔اگر یہ فعل سنت ہوتا تو خلفاء اربعہ کا اس پر ضرور عمل ہوتا۔معلوم ہوا کہ یہ سنت نہیں۔ دیکھو بخاری کی حدیث میں آتا ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّىْ وَ هُوَ حَامِلُ اُمَامَةٍ(۱)

کہ حضور ﷺ امامہ کو (جو آپ ﷺ کی نواسی تھیں) اٹھا کر نماز پڑھتے تھے۔ یہاں بھی كَانَ يُصَلِّىْ ہے۔اور رفع یدین کی حدیث میں بھی كَانَ يُصَلِّىْ ہے۔اگر رفع یدین ہر نماز میں سنت ہے تو نواسی کو اٹھانا بھی ہر نماز میں سنت ہونا چاہیئے ۔تو ان مدعیان عمل بالحدیث کیلئے لازم ہے کہ ہر نماز میں اپنی نواسی یا کم سے کم لڑکی کو اٹھا کر نماز پڑھیں۔ کیونکہ حضور ﷺ سے ثابت ہے۔

---

(۱)صحیح البخاری ۱/ ۱۹۳۔

بلکہ رفع یدین کے بارے میں تو نہ کرنے کی بھی حدیث آئی ہے لیکن لڑکی کو اٹھانے کی نہ ممانعت آئی ہے نہ کسی حدیث میں آیا ہے کہ فلاں نماز میں آپ ﷺ نے کسی لڑکی کو نہیں اٹھایا۔ فَمَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا ؟

حدیث {۲۶}

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ ، قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلٰئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (۱)

ترجمہ:۔ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول کریم ﷺ نے جب امام سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے تو تم اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو۔ بے شک جس شخص کا قول فرشتوں کے قول کے موافق ہو اس کے اگلے سب گناہ بخشے جاتے ہیں۔

اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی صرف رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہے۔ اسے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہ کہنے کہ ضرورت نہیں۔ سَمِعَ اللّٰهُ کہنا امام کا وظیفہ ہے۔

حضرت سیدنا عامر شعبی رضی اللہ عنہ نے پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی۔

(۱) صحیح البخاری ۳/ ۱۱۷۹، الصحیح لمسلم ۱/ ۳۰۶۔

وہ فرماتے ہیں لَا یَقُوْلُ الْقَوْمُ خَلْفَ الْاِمَامِ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ وَلٰکِنْ یَّقُوْلُوْنَ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔ اخرجه ابو داؤد کہ امام کے پیچھے مقتدی سَمِعَ اللّٰہُ نہ کہیں۔ وہ صرف رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہیں۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا۔(۱) اور احادیث میں جو دعاء رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ سے زیادہ آئی ہے وہ یا تو اس حدیث سے پہلے پر محمول ہے یا حالت انفراد پر یا تَطَوُّع (۲) پر محمول ہے۔

حدیث { ۲۷ }

عَنْ وَائِلِ بْنِ حَجَرٍ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُکْبَتَیْهِ قَبْلَ یَدَیْهِ وَ إِذَا نَهَضَ رَفَعَ یَدَیْهِ قَبْلَ رُکْبَتَیْهِ۔ رَوَاہُ الْاَرْبَعَةُ وَ ابْنُ خُزَیْمَةَ وَ ابْنُ حَبَّانَ (۳)

ترجمہ:- حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو دیکھا جب سجدہ کرتے اپنے گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھتے اور جب اٹھتے تو ہاتھوں کو پہلے اٹھاتے۔

اس کو ترمذی، نسائی، ابوداؤد ابن ماجہ وغیرہم نے روایت کیا۔ ترمذی نے اس کو حسن کہا۔ علامہ الحی نے حاشیہ شرح وقایہ میں اس کی سند کو قوی فرمایا۔ ابن حبان نے اس کو صحیح کہا جمہور اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے۔

---

(۱) ابوداؤد ۱/۲۲۴۔ (۲) نوافل۔ (۳) جامع الترمذی ۲/۵۶، ابوداؤد ۱/۲۲۲، السنن لنسائی ۲/۲۰۶۔، ابن حبان ۳/۱۹۱۔

حدیث {۲۸}

عَنْ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلَبِ أَنَّه‘ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰه ﷺ يَقُوْلُ إِذَا سَجَدَ الْعَبْدُ سَجَدَ مَعَه‘ سَبْعَةُ اٰرَابٍ وَجْهُه‘ وَكَفَّاهُ وَ رُكْبَتَاهُ وَقَدَمَاهُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ (۱)

ترجمہ:۔حضرت سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا فرماتے تھے جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ سات اعضاء سجدہ کرتے ہیں۔ایک منہ اور اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں زانو اور دونوں قدم۔اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔اور اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔صحیح مسلم (۲) کی ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعًا آیا ہے اَلْجَبْهَةُ وَ الْاَنْفُ وَ الْيَدَيْنِ وَ الرُّكْبَتَيْنِ وَ الْقَدَمَيْنِ۔ وہ سات اعضاء پیشانی اور ناک اور دونوں ہاتھ اور دونوں زانو اور دونوں قدم آیا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ پیشانی اور ناک ایک عضو ہے۔اگر صرف پیشانی رکھے تو بھی اور صرف ناک رکھے تو بھی سجدہ جائز ہو جائے گا۔لیکن ایسا کرنا نہ چاہیئے۔پیشانی اور ناک دونوں لگانا چاہیئے۔

---

(۱)جامع الترمذی ۶۱/۲، البیھقی ۱۰۱/۲۔ (۲)الصحیح لمسلم ۱۹۳/۱۔

حدیث {۲۹}

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ مَرَّ عَلٰی امْرَأَتَیْنِ تُصَلِّیَانِ فَقَالَ إِذَا سَجَدْتُّمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ اِلَی الْاَرْضِ فَإِنَّ الْمَرْءَ ۃَ لَیْسَتْ فِیْ ذٰلِکَ کَرَجُلٍ۔ (۱)

ترجمہ: کہ رسول کریم ﷺ دو عورتوں پر گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اِذَا سَجَدْتُّمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ کہ جب تم سجدہ کرو تو اپنے بعض اعضاء کو زمین کے ساتھ چسپاں کرو۔ یعنی پیٹ رانوں کے ساتھ اور ہاتھ زمین کے ساتھ چمٹ جائیں۔ اس حدیث کو ابوداؤد مراسیل میں اور بیہقی سنن میں لائے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب عورت سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنی رانوں کے ساتھ لگائے۔ جس سے زیادہ پردہ ہو۔ میں کہتا ہوں اگر چہ پہلی حدیث مرسل ہے اور یہ دوسری ضعیف مگر کوئی صحیح حدیث ایسی نہیں جس میں عورتوں کے مردوں کی طرح رانیں اٹھا کر سجدہ کرنے کا حضور ﷺ نے حکم دیا ہو۔ اور مرسل اکثر ائمہ کے نزدیک حجت ہے۔ اور دو مرفوع متصل حدیثیں اس کی تائید میں ہیں۔ نیز حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول بھی فَلْتَضُمَّ فَخِذَیْھَا اور ابراہیم نخعی کا قول جو بیہقی نے نقل کیا ہے کَانَتِ الْمَرْأَۃُ تُؤْمَرُ اِذَا سَجَدَتْ اَنْ تَلْزَقَ بَطْنَھَا بِفَخِذَیْھَا کَیْلَا تَرْفَعَ عُجْزَتُھَا وَ لَا تَجَافٰی کَمَا

(۱) المراسیل لابی داؤد ۱/۱۱۸، تلخیص الحبیر ۱/۲۴۲، السنن لبیھقی الکبری ۲/۲۲۳

يَجَافَى الرَّجُلُ۔ (۱) بھی اسی کا مؤید ہے۔

حدیث {۳۰}

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَنْهَضُ فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ (۲)

ترجمہ:-حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ،رؤف رّحیم ﷺ نماز میں اپنے قدموں کے کنارہ پر کھڑے ہوتے تھے۔

اس کو ترمذی نے روایت کیا۔اسی طرح ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کو جمع کیا اور فرمایا کہ سب مرد عورتیں جمع ہو جاؤ میں تمہیں رسول کریم ﷺ کی نماز سکھاتا ہوں۔لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے نماز شروع کی۔الحمد اور سورت پڑھ کر رکوع کیا پھر قومہ کیا پھر تکبیر کہی اور سجدہ کرتے ہوئے گرے پھر تکبیر کہی تو سر اٹھایا پھر تکبیر کہی اور سجدہ کیا۔پھر تکبیر کہی اور اٹھ کھڑے ہوئے یعنی جلسہ نہ کیا۔اسکو امام احمد نے روایت کیا۔

---

(۱) ترجمہ:عورت کو حکم دیا گیا ہے کہ جب وہ سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنی رانوں کے ساتھ ملا لے تا کہ اُس کی سرین بلند نہ ہو اور وہ (اپنی) کروٹ جدا نہ کرے جس طرح مرد (اپنی) کروٹ جدا کرتا ہے۔ (۲) جامع الترمذی ۸۰/۲۔

حدیث {۳۱}

عَنْ وَائِلِ بْنِ حَجَرٍ قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللہِ ﷺ فَلَمَّا قَعَدَ وَتَشَھَّدَ فَرَشَ قَدَمَہُ الْیُسْریٰ عَلَی الاَرْضِ وَ جَلَسَ عَلَیْھَا۔ رَوَاہُ الطَّحَاوِیْ (۱)

ترجمہ:۔حضرت سیدنا وائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی جب آپ ﷺ بیٹھے اور تشہّد پڑھا تو آپ ﷺ نے بایاں قدم زمین پر بچھایا اور اس پر بیٹھے۔

اس کو طحاوی نے روایت کیا۔اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آیا ہے۔آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز کی سنت میں یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کیا جائے اور اس کی انگلیوں کا قبلہ رخ ہونا اور بائیں پاؤں پر بیٹھنا (نماز کی سنن میں سے ہے)۔اس کو نسائی نے روایت کیا۔(۲) جس حدیث میں قعدہ اخیرہ میں تَوَرُّکْ (۳) آیا ہے وہ ہمارے علماء کے نزدیک حالت پیری (۴) پر محمول ہے یا کسی عذر پر یا بیان جواز کے لئے اور ہوسکتا ہے کہ سلام کے بعد آپ ﷺ اس طرح بیٹھے ہوں۔ قَالَہٗ عَلِیٌّ نِالْقَارِیْ فِی الْمِرْقَاۃِ۔

---

(۱) شرح معانی الاثار للطحاوی ۱۸۴۔(۲) النسائی ۲ /۲۳۶۔(۳) یعنی بایاں پاؤں نیچے سے نکال کر سرین پر بیٹھنا (جیسے عورتیں بیٹھتی ہیں)۔(۴) کبر سنی یعنی بڑھاپے کی حالت۔

حدیث {۳۲}

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ کُنَّا اِذَا صَلَّیْنَا مَعَ النَّبِیِّ ﷺ قُلْنَا اَلسَّلَامُ عَلَی اللّٰہِ قِبَلَ عِبَادِہٖ اَلسَّلَامُ عَلٰی جِبْرَائِیْلَ اَلسَّلَامُ عَلٰی مِیْکَائِیْلَ اَلسَّلَامُ عَلٰی فُلَانٍ فَلَمَّا اِنْصَرَفَ النَّبِیُّ ﷺ اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْھِہٖ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا اَلسَّلَامُ عَلَی اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ السَّلَامُ فَاِذَا جَلَسَ اَحَدُکُمْ فِی الصَّلٰوۃِ فَلْیَقُلْ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ فَاِنَّہٗ اِذَا قَالَ ذٰلِکَ اَصَابَ کُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ (۱)

ترجمہ:۔حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جب رسول کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو کہتے تھے سلام ہو اللہ عزوجل پر سلام ہو جبرائیل علیہ السلام پر سلام ہو میکائیل علیہ السلام پر سلام ہو فلاں پر۔تو جب رسول کریم ﷺ نماز سے پھرے تو ہماری طرف منہ کر کے فرمایا یہ نہ کہا کرو کہ اللہ پر سلام ہو کیونکہ اللہ ہی سلام ہے۔جب تمہارا کوئی نماز میں بیٹھے تو یہ پڑھے

---

(۱)صحیح البخاری ۱/۱۱۵،الصحیح لمسلم کتاب الصلوۃ ۱/۱۷۳

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِىُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَن لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ (۱) ۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

اس حدیث میں سرور عالم ﷺ نے سلام بلفظ خطاب سکھایا۔ اور حضور علیہ السلام کو معلوم تھا کہ لوگ نماز ہمیشہ میرے پاس ہی نہیں پڑھیں گے کوئی گھر میں کوئی سفر میں کوئی جنگل میں کوئی کسی جگہ کوئی کسی جگہ پڑھے گا اور ہر جگہ یہی لفظ بصیغہ خطاب پڑھا جائے گا۔ اگر حضور ﷺ کو سلام بصیغہ منع کرنا ہوتا تو آپ تشہد میں ہرگز اجازت نہ دیتے ۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہاں خطاب بطریق حکایت نہیں بلکہ بطریق اِنشا ہے (۲)۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا

---

(۱) ترجمہ: تمام قولی و بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں ۔ اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) ﷺ آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں، ہم پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں میں گواہی دیتا ہوں کے بیشک محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (۲) دیوبندیوں کا مسلک یہ ہے کہ نماز کے تشہد میں جب اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِىُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُه (اے نبی آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں) کہا جائے تو حضور پر قصداً سلام کرنے کی نیت نہ کرے بلکہ یہ نیت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج رسول اللہ ﷺ پر جو سلام پڑھا تھا میں اس سلام کی نقل اور حکایت کر رہا ہوں۔

اَلسَّلَامُ عَلیٰ عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیۡنَ کہنے سے سب صالحین کو یہ سلام پہنچے گا۔ اگر حکایت ہوتی تو حکایتِ سلام نمازی کی طرف سے کیسے ہوسکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حکایت نہیں بلکہ اِنشا ہے۔

حدیث {۳۳}

إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهٖ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ يُسَلِّمْ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (۱)

ترجمہ:- حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے: جب کسی کو نماز میں شک ہو تو صواب کا قصد (۲) کرے اور اس پر پورا کرے پھر سلام کہے اور دو سجدے (سہو کے) کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ سہو سلام کے بعد کرنا چاہیئے ۔ ابو داؤد میں حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک سہو کے دو سجدے ہیں بعد سلام کے (۳)، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔

حدیث {۳۴}

عَنْ اَبِی اُمَامَۃَ قَالَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ؟ قَالَ جَوْفَ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ وَ دُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَکْتُوْبَاتِ (۴)

---

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب المساجد ۱/ ۲۱۲۔ (۲) کمی کو پورا کرنے کا ارادہ۔

(۳) ابو داؤد ۱/ ۱۵۵ (۴) جامع الترمذی ۳ ۵۱۳، عمل الیوم واللیلہ ۱/۱۸۶۔

ترجمہ:۔حضرت سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہا گیا یارسول اللہ ﷺ کونسی دعا زیادہ سنی جاتی ہے۔فرمایا پچھلی رات کے درمیان اور فرض نمازوں کے بعد۔اس کو ترمذی نے روایت کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے بعد دعا مانگنا دُرست ہے۔

حدیث {۳۵}

مَا مِنْ عَبْدٍ بَسَطَ كَفَّيْهِ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلوٰةٍ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِلٰهِيْ وَاِلٰهَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ وَاِلٰهَ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَ اِسْرَافِيْلَ اَسْئَلُكَ اَنْ تَسْتَجِيْبَ دَعْوَتِيْ فَاِنِّيْ مُضْطَرٌّ وَ تَعْصِمَنِيْ فِيْ دِيْنِيْ فَاِنِّيْ مُبْتَلًى وَتَنَالَنِيْ بِرَحْمَتِكَ فَاِنِّيْ مُذْنِبٌ ' وَتَنْفِيَ عَنِّي الْفَقْرَ فَاِنِّيْ مُتَمَسْكِنٌ ' اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اَنْ لَّا يَرُدَّ يَدَيْهِ خَائِبَيْنِ ۔(۱)

ترجمہ:۔رسول کریم ﷺ نے فرمایا یعنی جو شخص ہر نماز کے پیچھے (بعد) ہاتھ پسار (پھیلا) کر یہ دعا پڑھے(۲) تو اللہ تبارک وتعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اس کے ہاتھ خالی نہ پھیرے۔اس حدیث کو حافظ ابوبکر بن السنی نے عمل الیوم

---

(۱) تحفة الاحوذی ۲/ ۱۷۱۔ (۲) ترجمہ:اے اللہ! اے میرے معبود اور اے ابراہیم و اسحٰق اور یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خدا عزوجل اور اے جبرائیل و میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے رب جل جلالہ! مجھ لاچار کی دعا قبول فرما، اور میں مبتلائے مشکلات ہوں، میرے دین میں میری حفاظت فرما، اور مجھ گناہگار پر اپنی رحمت نازل فرما اور مجھ سے مفلسی دور کر کہ میں محتاج و مسکین ہوں۔

و اللیلۃ میں روایت کیا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا چاہیئے ۔جولوگ نماز کے بعد دعا نہیں مانگتے وہ محروم رہتے ہیں۔نماز جنازہ بھی من وجہ نماز ہے۔حدیث مذکور کا لفظ کُلُّ صَلٰوۃٍ اس کو بھی شامل ہے۔اس لئے نماز جنازہ کے بعد بھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا چاہیئے۔

حدیث {۳۶}

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِجْعَلُوْا أَئِمَّتَکُمْ خِیَارَکُمْ فَاِنَّھُمْ وَفْدُکُمْ فِیْمَا بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ رَبِّکُمْ۔ رَوَاہُ الدَّارُقُطْنِیُّ (۱)

ترجمہ:-فرمایا حضور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے کہ اپنے امام برگزیدہ لوگوں کو بناؤ کہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان تمہارے ایلچی (سفیر) ہیں۔اس کو دار قطنی نے روایت کیا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام برگزیدہ ہونا چاہیئے۔اور ظاہر ہے کہ جن لوگوں کا عقیدہ صحیح نہیں وہابی(۲) ہویا

---

(۱) الدار قطنی ۱/۱۹۷۔(۲) یہ فرقہ ۱۲۰۹ھ میں پیدا ہوا۔اس مذہب کا بانی محمد بن عبدالوھّاب نجدی تھا۔جس نے تمام عرب خصوصاً حرمین شریفین میں بہت شدید فتنے پھیلائے۔علماء کو قتل کیا ،صحابہ کرام و آئمہ و علماء و شہداء رضی اللہ عنہم کی قبریں کھود ڈالیں۔روضۂ انور کا نام معاذ اللہ صنم اکبر رکھا تھا یعنی بڑا بُت۔اور طرح طرح کے ظلم کئے جیسا کہ بخاری شریف کی صحیح حدیث جلد۲ص۱۰۵۱ میں حضور ﷺ نے خبر دی تھی کہ نجد سے فتنے اُٹھیں گے اور شیطان کا گروہ نکلے گا وہ گروہ بارہ سو سال بعد ظاہر ہوا۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے ردالمحتار ۶/ص۴۰۰ میں

مرزائی (۱) شیعہ (۲) ہو یا اَہل قرآن (۲) وہ ہرگز برگزیدہ نہیں ہو سکتے۔ لہذا ان میں سے کسی کے پیچھے نماز نہیں پڑھنا چاہیے۔

حدیث {۳۷}

عَنِ السَّائِبِ بْنِ خَلَّادٍ قَالَ إِنَّ رَجُلًا أَمَّ قَوْمًا فَبَصَقَ فِي الْقِبْلَةِ وَرَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَنْظُرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لِقَوْمِهِ حِيْنَ فَرَغَ لَا يُصَلِّي لَكُمْ فَأَرَادَ بَعْدَ ذٰلِكَ أَنْ يُصَلِّيَ لَهُمْ فَمَنَعُوْهُ فَأَخْبَرُوْهُ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَ نَعَمْ وَحَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ إِنَّكَ قَدْ اٰذَيْتَ اللهَ وَرَسُوْلَهُ۔ (۴)

ترجمہ: حضرت سیدنا سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے

➲ اسے خارجی بتایا۔ اس عبدالوھاب کے بیٹے نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "کتاب التوحید" رکھا۔ اس کا ترجمہ ہندوستان میں اسماعیل دہلوی نے کیا جس کا نام "تقویۃ الایمان" رکھا اور ہندوستان میں وھّابیت اُسی نے پھیلائی۔ ان کا ایک بڑا عقیدہ یہ ہے کہ جو اِن کے مذہب پر نہ ہو وہ کافر مشرک ہے (بہارِ شریعت جلد اول حصہ اول ص ۳۳) (۱) ان کے بارے میں حاشیہ صفحہ ۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔ (۲) ان کے مذہب کی تفصیل "تحفہ اثنا عشریہ" میں دیکھئے۔ یہ لوگ رافضی بھی کہلاتے ہیں۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ یہ حضراتِ خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت راشدہ کو خلافتِ غاصبہ کہتے ہیں۔ (۳) یہ لوگ بھی حدیث کے منکر ہیں۔ اسکی تفصیل کے لئے کتاب ۔۔۔۔ کا مطالعہ فرمائیں۔

(۴) المشکوٰۃ، ۶۳۔

ایک قوم کی اِمامت کی اور قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوکا ۔ رسول کریم ﷺ دیکھ رہے تھے ۔حضور ﷺ نے اس کی قوم کو فرمایا جب وہ فارغ ہوا کہ یہ تمہیں نماز نہ پڑھائے ۔پھر جب وہ نماز پڑھانے لگا تو لوگوں نے اسے منع کیا اور رسول کریم ﷺ کے فرمان کی اسے خبر دی۔تو اس نے رسول کریم ﷺ کے پاس ذکر کیا۔تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں (میں نے منع کیا ہے)۔راوی کہتے ہیں میں گمان کرتا ہوں کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ تو نے اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دی۔

دیکھو قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے تھوکنے کے سبب حضور علیہ السلام نے نماز کی امامت سے روک دیا۔تو جو لوگ سر سے پاؤں تک بے ادب ہیں ان کے پیچھے نماز کیسے جائز ہے۔ پس وہابی مرزائی ۔رافضی ۔خارجی (۱)۔اہل قرآن کسی کے پیچھے نماز پڑھنا دُرست نہیں ہے۔

حدیث {۳۸}

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ کُنْتُ اَعْرِفُ

(۱) یہ بھی گمراہ فرقہ ہے اس کے بارے میں منقول ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ خارجیوں کو مخلوقِ خدا کا بدترین طبقہ تصور کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ وہ آیات نکال لیتے ہیں جو کفار کے حق میں نازل ہوئیں اور انہیں مومنوں پر چسپاں کرتے ہیں (صحیح البخاری ۱۰۲۴/۲ بَابُ قِتَالِ الْخَوَارِجِ وَ الْمُلْحِدِیْنَ)۔آج دیوبندی وہابی بھی ایسا ہی کر رہے ہیں اور بھولے بھالے مسلمانوں کو وہ آیات جو بتوں کے بارے میں ہیں اُن کو نبیوں ، ولیوں پر چسپاں کر کے گمراہ کر رہے ہیں۔

اِنۡقِضَاءَ صَلوٰةِ رَسُوۡلِ اللّٰہِ ﷺ بِالتَّکۡبِیۡرِ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیۡہِ (۱)

ترجمہ:۔حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسول کریم، رؤف رّحیم ﷺ کا نماز سے فارغ ہونا تکبیر (کی آواز) سے پہچان لیا کرتا تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہا کرتے تھے۔ یا بلند آواز سے ذکر کیا کرتے تھے۔ جس کی آواز سننے سے معلوم ہوجاتا تھا کہ اب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے۔ یہاں سے ذکرِ جہر کی اجازت نکلتی ہے۔

حدیث {۳۹}

عَنۡ أنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ ، قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ مَنۡ صَلَّی الۡفَجۡرَ فِیۡ جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ یَذۡکُرُ اللّٰہَ حَتّٰی تَطۡلُعَ الشَّمۡسُ ثُمَّ صَلّی رَکۡعَتَیۡنِ کَانَتۡ لَہٗ کَاَجۡرِ حَجَّةٍ وَّعُمۡرَةٍ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ ۔ رَوَاہُ التِّرۡمِذِیۡ (۲)

ترجمہ:۔حضور سراپا نور ﷺ نے فرمایا جو شخص فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ کر اللہ عزّ وجل کا ذکر کرتا ہوا بیٹھا رہے یہاں تک کہ سورج نکل آئے پھر

---

(۱) صحیح البخاری ۱/۱۱٦، الصحیح لمسلم ۱/۲۱۷۔

(۲) جامع الترمذی، کتاب الجمعة ص ٦٠ ۔

دو رکعت نماز پڑھے اسے حج اور عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ حضور ﷺ نے تین بار فرمایا کہ پورے حج وعمرہ کا۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا۔ معلوم ہوا کہ نمازِ فجر کے بعد طلوعِ شمس تک ذکر میں مشغول رہنا بہت اجر رکھتا ہے۔ یہی حضراتِ صُوفیہء کرِام کَثَّرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی کا معمول ہے۔

حدیث {۴۰}

عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (۱)

ترجمہ: حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے حق میں اللہ تعالیٰ بہتری کا ارادہ رکھتا ہے اسے دین کی سمجھ دیتا ہے۔ یعنی اسے عالم فقیہ بنا دیتا ہے۔ سوائے اس کے نہیں میں تقسیم کرنے والا ہوں (۲) اور

---

(۱) صحیح البخاری ۳۹/۱، ۴۳۹/۲، ۶/ ۲۶۶۷، الصحیح لمسلم ۲/ ۱۹ے۔

(۲) شارحِ بخاری فقیہِ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ حدیث ''اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ'' کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ یہاں صرف ''قاسم'' ہے اور بخاری کتاب الجہاد میں تعلیقاً قاسم کے ساتھ خازن بھی ہے (بخاری ۴۳۹/۱)، معانی کا قاعدہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل کا متعلق بھی اس کا مفعول وغیرہ جب محذوف ہوتا ہے تو وہ عموم کا افادہ (فائدہ دیا) کرتا ہے۔ یہاں قاسم (وہاں) خازن، یُعطی تینوں کے مفعول محذوف۔ آج تک جو کچھ ملا، یا آئندہ ملے گا ان سب کا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور ان سب کا خازن میں ہوں اور ان سب کا بانٹنے والا میں ہوں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے معطی ہونے میں کسی قسم کی کوئی تخصیص (مخصوص کرنا) جائز نہیں۔ اسی طرح حضور ﷺ کے قاسم وخازن ہونے میں کسی قسم کی تخصیص جائز نہیں۔

خدا تعالیٰ دیتا ہے۔یعنی ہر وہ چیز کہ خدا دیتا ہے اس کو میں تقسیم کرنے والا ہوں ۔معلوم ہوا کہ جس کو جو کچھ ملتا ہے حضور سرورِ دو عالم ﷺ ہی کے ہاتھوں ملتا ہے ۔اور وہ ہر ایک کو حسبِ مراتب عطا فرماتے ہیں ۔انہیں علم ہے کہ فلاں اس قابل ہے اور فلاں اس قابل ۔وَ اللّٰہُ تَعَالیٰ اَعْلَمُ

ھٰذَا اٰخِرُ مَا أَرَدْنَا فِيْ ھٰذَا الْبَابِ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمَّ الصَّالِحَاتُ۔

➲ جس طرح تمام مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ عالم کی ہر نوع ہر فرد خواہ وہ فرشتے ہوں۔خواہ وہ انسان خواہ جن ہوں خواہ اور کچھ سب کو سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطاء سے ملا اور ملے گا۔اِسی طرح یہ اعتقاد بھی واجب کہ سب کو بلا استثناء جو کچھ ملا یا ملے گا وہ سب حضور اقدس ﷺ کے دیئے سے ملا۔اس لیئے جن لوگوں نے اسے علم کے ساتھ خاص کیا یہ درست نہیں۔حیات بھی از قسم عطا ہے تو سب کو حیات بھی حضور علیہ السلام کے ہاتھوں ملی تو ثابت ہوا کہ ہر ذی حیات سے پہلے حضور اقدس ﷺ موجود تھے۔اور آپ کی تخلیق سارے عالم سے پہلے ہوئی۔خواہ وہ آدم علیہ السلام ہوں خواہ جبرئیل علیہ السلام و دیگر ملائکہ علیہم السلام۔امام احمد بن حنبل و امام بخاری کے استاذ امام عبد الرزاق علیہم الرحمۃ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الاَشْیَاءَ نُوْرَ نَبِیِّكَ مِنْ نُوْرِہٖ۔ اے جابر رضی اللہ عنہ! اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔اَلْمَوَاھِبُ لدُنّیۃ ۱/۵۵،مدارج النبوۃ ۲/۲، شَرْحُ الْمَوَاھِبِ لِزَرْقَانِیْ ۱/۴۶،نُزْھَۃُ الْقَارِیْ شَرْحُ الْبُخَارِیْ ۴۲۵ تا ۴۲۶۔

کنجیاں اپنے خزانوں کی خدا نے دی تمہیں
اپنے رب کے اذن سے تم مالک و مختار ہو

عظمتِ امام الائمہ سیدنا امام اعظم

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ نے اپنی زندگی میں پچپن حج کئے جب آخری بار حج کی سعادت حاصل کی تو خدام کعبہ مشرفہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی خواہش پر آپ رضی اللہ عنہ کے لئے باب الکعبہ کھول دیا آپ بصد عجز و نیاز اندر داخل ہوئے اور بیت اللہ کے دوستونوں کے درمیان کھڑے ہو کر دو رکعت میں پورا قرآن ختم کیا۔ پھر دیر تک رو رو کر مناجات کرتے رہے۔ آپ مشغول دعا تھے کہ بیت اللہ کے ایک گوشہ سے آواز آئی۔ ''تم نے اچھی طرح ہماری معرفت حاصل کی اور خلوص کے ساتھ خدمت کی۔ ہم نے تم کو بھی بخشا اور قیامت تک جو تمھارے مذہب پر ہوگا (یعنی جو تمھاری تقلید کرے گا) اس کو بھی بخش دیا''۔

(الخیرات الحسان)

امام بخاری کے دادا استاذ سیّدنا عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہم نے فرمایا

فَلَعْنَةُ رَبِّنَا اَعْدَادَ رَمْلٍ عَلٰى مَنْ رَدَّ قَوْلَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ

ترجمہ: ہمارے رب کی لعنت ہو ریت کے ذروں کی تعداد میں، اس (شخص) پر جو ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرمان کو رد کرے۔

ہماری مطبوعات

1۔ ایمان کی پہچان (تمہید ایمان)
2۔ معاشی ترقی کا راز (تدبیر فلاح ونجات وصلاح)
3۔ امام احمد رضا خان ﷫ سے انٹرویو (اظہار الحق الجلی)
4۔ ولایت کا آسان راستہ (الیاقوتۃ الواسطۃ)
5۔ کرنسی نوٹ کے شرعی احکام (کفل الفقیہ الفاہم)
6۔ فیضان احیاء العلوم (احیاء العلوم)
7۔ جنتی دروازہ (منتخب فتاوی)
8۔ کامیابی کا راز (منتخب فتاوی)
9۔ راہ علم (تعلیم المتعلم طریق التعلم)
10۔ زبدۃ الفکر (نخبۃ الفکر)
11۔ حق وباطل کا فرق (المصباح الجدید)
12۔ احکام شریعت میں عرف کی اہمیت (نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف)
13۔ ثبوت ہلال کے طریقے (طرق اثبات ہلال)
14۔ حقیقت
15۔ تحقیقات (اوّل)
16۔ طلاق کے آسان مسائل
17۔ کتاب العقائد
18۔ اسلام جو مجد (سندھی)
19۔ اربعین حنفیہ

پی او بکس 18752 گلستان جوہر، کراچی، پاکستان ای میل: ilmia26@hotmail.com